ہندی سنیما میں
مسلم اداکارائیں

۱۹۱۲-۲۰۱۲

غیاث الرحمٰن

ہندی سنیما میں مسلم اداکارائیں

1912 – 2012

غیاث الرحمٰن

رابطہ

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دھلی

تقسیم کار

صدر دفتر

➤ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی۔110025 011-26987295

Email: monthlykitabnuma@gmail.com

maktabajamiadelhi@gmail.com

شاخیں

➤ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اردو بازار، دہلی۔110006 011-23260668

➤ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، پرنس بلڈنگ، ممبئی۔400003 022-23774857

➤ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، یونیورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ۔202002 0571-2706142

➤ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، بھوپال گراؤنڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی۔25 011-26987295

سرِورق : جاوید سلطان

ISBN No. : 978-81-923510-4-9

اگست 2012 تعداد: 500 قیمت: -/350 روپے

کلاسک آرٹ پرنٹرس، چاندنی محل، دریا گنج، نئی دہلی ۲ میں طبع ہوئی۔

فہرست

انتساب

عطیہ، اطیب اور ارحم

کے نام

'جن سے روشن جہان ہے میرا'

مقدمہ

عالمی فلم سازی کی تاریخ کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ فلم سازی کا آغاز 1896 میں فرانس میں ہوا۔ اسی دور میں جرمنی میں بھی تجرباتی فلم بنی۔ لیکن ہندوستانی سرزمین فلموں کی نشوونما کے لئے انتہائی سازگار ثابت ہوئی۔ لیومیئر (Lumiere) برداران اپنی پہلی فلم لے کر ہندوستان آئے اور مختلف شہروں میں اس کی نمائش کی۔ 1896 میں پہلی بار ہندوستانی فلم بینوں نے اس کا لطف اٹھایا۔ اس فلم کی کامیابی کو دیکھتے ہوئے ہندوستان میں فلم سازی کا رجحان پیدا ہوا۔ اور اس دور کے کچھ دانشوروں نے سنجیدگی کے ساتھ فلم سازی کی طرف توجہ دی۔ اور جلد ہی ہرشچندر سکھارام بھاٹاودیکر، جنہیں داداصاحب پھالکے کے نام سے جانا جاتا ہے، نے فلم سازی کا بیڑا اٹھایا، اور 1897 میں پہلی فلم اور 1900 میں دوسری فلم بنا کر پورے ہندوستان میں ایک لہر سی پیدا کر دی۔ شروعاتی دور میں تو تجرباتی فلمیں بنتی رہیں لیکن پھر 1912 میں 'پنڈ لک' اور 1913 میں 'راجہ ہریش چندر' فلمیں ریلیز ہوئیں، یہی ہندی سنیما کا نقطہ آغاز تھا۔ ہندوستان میں فلم سازی کا کام جس تیزی سے شروع ہوا اسکی مثال دنیا کے کسی ملک میں نظر نہیں آتی۔

پہلے خاموش فلموں کا ایک انبار لگ گیا جن کی پورے ہندوستان کے طول وعرض میں نمائش ہوتی رہی۔ ہر شہر، ہر قصبے اور ہر گاؤں میں، میلوں ٹھیلوں اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھیٹروں کے ذریعے یہ فلمیں دکھائی جانے لگیں۔ اور شائقین بڑی دلچسپی لینے لگے۔ نہ صرف ہندستان میں بلکہ بیرونی ممالک میں بھی ان فلموں کی مقبولیت بڑھنے لگی اور خوب

پذیرائی ہوتی رہی۔

پھر 1931 میں ریلیز ہوئی پہلی بولتی فلم ''عالم آرا'' سے ایک نئے دور کا آغاز ہوا اور فلم سازی کی رفتار اور تیز ہوگئی۔

ہندوستان میں فلموں کی کامیابی کی بڑی وجہ یہ رہی ہے کہ یہاں پر تھیٹر کی جڑیں بہت گہری اور بہت دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ صدیوں سے رامائن، مہابھارت اور لوک ناٹکوں کا رواج رہا۔ مہاراشٹر میں پواڑا اور اتر پردیش میں نوٹنکیوں کی مقبولیت خوب تھی اس کے بعد پارسی تھیٹر اور دیگر ڈراموں نے ہندوستانی عوام کے ذوق وشوق کو ایک علیحدہ معیار بخشا۔ لیکن عرصے تک عورت اسٹیج سے دور ہی رہی۔ ضرورت پڑنے پر مرد ہی عورتوں کا لباس پہن کر اسٹیج پر عورت کا کردار ادا کرتے تھے۔

فلموں کے آغاز نے ہندوستانی عورت کو اداکاری کے جوہر دکھانے کا موقع دیا۔ ہمارے ملک میں فلم دیکھنا اور اس کا تذکرہ کرنا بہت دلچسپ اور بڑا اہم مشغلہ ہے۔ لیکن ایک عرصے تک فلموں میں کام کرنا معیوب اور غیر معیاری عمل سمجھا جاتا تھا۔ تاہم اس دور کی کچھ دلیر اور خود اعتماد خواتین نے معاشرے کی پرواہ کیے بغیر اپنے فن اور صلاحیتوں کا اظہار کیا۔ اور ساری دنیا کو اپنی قابلیت کا قائل کر دیا۔

فلمیں ہمیشہ سے لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کرتی رہی ہیں۔ خاص طور پر ہندی فلموں کی عوام میں مقبولیت دیوانگی کی حد تک ہے۔ ہر برس تقریباً ایک ہزار فلمیں بنانے والی ہندی فلم انڈسٹری اقتصادی اعتبار سے دنیا کی مالدار ترین صنعتوں میں سے ایک ہے۔ فلموں میں کام کرنے والے اداکاروں اور اداکاراؤں کے تئیں لوگوں کا لگاؤ جنون کی حد تک ہے، اپنے محبوب فلم اداکار یا اداکارہ کی ایک جھلک پانے کے لئے لوگوں کا سمندر اُمڈ پڑنے کے واقعات ہندی فلمی دنیا میں معمول کی بات بن چکے ہیں۔ ہندی فلموں کے پہلے سپر اسٹار کہے جانے والے اداکار راجیش کھنہ کا مختصر مگر انتہائی کامیاب فلمی سفر اس بات پر شاہد ہے کہ

عوام میں فلمی ستاروں کے لئے کس حد تک مقبولیت ہوسکتی ہے۔ یہ بات دیگر ہے کہ راجیش کھنہ نے بعد میں حسرت ویاس سے پر زندگی بھی گذاری جس میں وہ تقریباً گمنام اور گوشہ نشین ہوکر رہ گئے۔ حالانکہ انکے انتقال کے بعد انکے آخری سفر میں ایک مرتبہ پھر عوام کا سیلاب امڈ آیا۔

جس طرح یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ عوام فلمی ستاروں کو سر آنکھوں پر بٹھاتی ہے اسی طرح یہ بھی تلخ سچائی ہے کہ متعدد فلمی ستاروں نے نہ صرف یہ کہ کامیابی کی بلندی کے بعد گمنامی اور حسرت و یاس کے طویل ایام گذارے بلکہ کئی فلم اداکارائیں تو انتہائی کسمپرسی کی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہوئیں۔ ایسی کئی اداکاراؤں کا تذکرہ اس کتاب میں بھی آپ کو پڑھنے کو ملے گا۔

اس تمہید کے بعد اصل نکتہ پر آتا ہوں، اس کتاب کو لکھنے کا خیال مجھے کیوں آیا؟ دراصل جب میں فلمی اداکاروں اور اداکاراؤں کی چمک دمک سے بھری زندگی کے اوراق پلٹ رہا تھا تو مجھے کئی نام ایسے نظر آئے جو تھے تو مسلمان مگر فلمی دنیا میں غیر مسلم نام کے ساتھ شہرت پا چکے تھے۔ ان میں زیادہ تعداد اداکاراؤں کی تھی۔ ان اداکاراؤں میں مینا کماری، مدھو بالا اور شیامہ وغیرہ شامل ہیں۔ میری دلچسپی اور بڑھی تو میں نے ایسے اور نام تلاش کرنے کی کوشش شروع کی، اور کئی نام مجھے مل گئے۔ ان اسماء پر ابتدائی تحقیق کے بعد ایک تفصیلی مضمون میں نے تیار کرلیا، لیکن میں ابھی مطمئن نہیں تھا۔ میں نے تلاش و جستجو کا کام نئے پیمانے پر شروع کیا۔ فلمی دنیا سے میرے لگاؤ اور اس کھوج بین کا ثمرہ یہ ہے کہ میں یہ کتاب تیار کرسکا اور آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

ہندی فلموں کی دنیا کی تاریخ ایک صدی سے زیادہ کے عرصہ پر محیط ہے۔ ظاہر ہے ایسے میں مسلمان اداکاراؤں کو ڈھونڈنا، ان کے حالات کو اکٹھا کرنا اور انکی فلموں کی تفصیل حاصل کرنا یہ سب ایک دقت طلب اور کٹھن مرحلہ تھا۔ میں نے حتی الامکان اس بات کی

کوشش کی ہے کہ کوئی بھی اہم مسلمان فلم اداکارہ ایسی نہ رہ جائے جس کا ذکر اس کتاب میں شامل ہونے سے رہ جائے۔ ہندی سینما کے اس دلدل نما سمندر میں میں جتنا گہرا اترتا گیا اتنا ہی الجھتا چلا گیا۔ بہر حال مجھے اس غوطہ خوری کے عوض بہت ساری فلم اداکاراؤں کے نام حاصل ہوئے۔ میں نے امکان بھر نام حاصل کر کے ان کی تفصیل کتاب میں شامل کرنے کی کوشش کی ہے، مگر چونکہ انسان ہوں اور غلطی کا صدور ممکن ہے اس لئے اگر کوئی اہم نام چھوٹ گیا ہو تو معذرت کا خواستگار ہوں۔

اس کتاب میں ان مسلمان اداکاراؤں کو شامل کیا گیا ہے جنہوں نے ہندی فلموں میں کام کیا ہے۔ کچھ نام ایسے بھی ہو سکتے ہیں جو علاقائی فلموں کی اداکاراؤں کے ہوں لیکن چونکہ انہوں نے ہندی فلموں میں بھی کام کیا اس لئے ان کا ذکر ہم نے اس کتاب میں شامل کیا ہے۔ اس کتاب میں کچھ غیر ملکی اداکاراؤں کے نام بھی آپکو ملیں گے، وجہہ وہی ہے کہ وہ اداکارائیں بھلے ہی ہندوستانی نژاد نہ ہوں لیکن ہندی فلموں میں وہ کام کر چکی ہیں۔

چونکہ اس کتاب کے ذریعہ مسلمان فلم اداکاراؤں کی تفصیل اکٹھی کرنا مقصود تھا اس لئے وہ تمام اسماء شامل کئے گئے ہیں جو مسلمان ہوں، حالانکہ کچھ نام ایسے ضرور ممکن ہیں جنہوں نے بعد میں اسلام مذہب کو ترک کر دیا ہو لیکن چونکہ انکی پیدائش مسلمان خاندانوں میں ہوئی اور انہوں نے مسلمان رہتے فلموں میں کام کیا اس لئے ان کو کتاب کی زینت بنایا گیا ہے۔ کچھ اداکارائیں ایسی بھی ہیں جو پیدا تو غیر مسلم خاندانوں میں ہوئی تھیں لیکن بعد میں مسلمان ہو گئیں اس لئے ان کو بھی کتاب میں شامل کر لیا گیا ہے۔

کتاب میں شامل حالات زندگی کے تعلق سے ہم نے اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ صرف وہی حقائق درج کئے جائیں جو معتبر ذرائع سے ملے ہوں۔ صرف سنی سنائی باتوں یا افواہوں کو درج کرنے سے گریز کیا گیا ہے البتہ جہاں کہیں کوئی ایسی بات ہے جس کا معتبر حوالہ موجود نہیں یا پھر وہ متنازعہ ہے اس بات کو درج کرتے وقت 'کہا جاتا ہے۔۔' جیسے الفاظ

کی اضافت کردی گئی ہے۔

فلم اداکاراؤں کے ذکر میں زور اس بات پر دیا گیا ہے کہ ان کے فلمی سفر کا تذکرہ خصوصیت سے شامل ہو سکے۔ کوشش اس بات کی رہی ہے کہ ہر مسلمان اداکارہ کی تقریباً تمام فلموں کی تفصیل اس کے ذکر کے ساتھ دی جائے۔ غیر ضروری مواد مثلاً اسکینڈل وغیرہ کو شامل تذکرہ کرنے سے اجتناب کیا گیا ہے۔

کتاب میں فلم اداکاراؤں کی ترتیب کو حروف تہجی کی بنیاد پر رکھا گیا ہے، ظاہر ہے یہ ترتیب ہم نے مراتب کی بنیاد پر نہیں کی ہے۔ چونکہ اگر ہم اپنی صوابدید پر مراتب طے کرتے تو بہت ممکن تھا کہ کسی کو ہماری رائے سے اختلاف ہوتا اس لئے ہم نے حروف تہجی کو بنیاد بنانا بہتر خیال کیا۔

وہ تمام فلم اداکارائیں جنکی تفصیل عام طور پر دستیاب نہیں ہوتی انکے حالات کو زیادہ مفصل طریقے سے کتاب میں درج کرنے کی کوشش کی گئی ہے تا کہ محققین اور ارباب علم و دانش کے ذوق کی تسکین ہو سکے۔ جدن بائی اور مختار بیگم جیسی اداکاراؤں پر تفصیل سے گفتگو کا یہ مقصد بھی تھا کہ انکے بارے میں زیادہ سے زیادہ شائقین جان سکیں۔

اس کتاب میں سعادت حسن منٹو کی کتاب 'گنجے فرشتے' سے تین اقتباسات لیکر بھی درج کئے گئے ہیں۔ ان اقتباسات کی شمولیت کی علت یہ ہے کہ منٹو کی 'گنجے فرشتے' ایک خالص ادبی نوعیت کی تصنیف ہے اور اس کتاب تک ہر غیر اردو والے کی رسائی مشکل ہے بالخصوص ان کی جو اردو ادب کے اسکالر نہیں ہیں۔ چونکہ ہماری اس کتاب سے سینما کے اسکار بھی مستفیذ ہو سکتے ہیں اس لئے ہم نے چاہا کہ منٹو کے یہ اقتباسات جو کہ سینما کی تاریخ کے حوالے سے اہم ہیں ان کو اس کتاب میں درج کر دیا جائے، تا کہ اس سے استفادہ زیادہ سے زیادہ افراد کر سکیں۔

مجھے امید ہی نہیں یقین ہے کہ ہندی فلموں کی مسلمان فلم اداکاراؤں کا یہ تذکرہ دلچسپی

اور معلومات میں اضافہ کا باعث ہوگا۔ ان اداکاراؤں میں آپ کو کچھ نام ایسے بھی ملیں گے جنکی اداکاری میں بننے والی فلموں کی تعداد ہر چند ہے لیکن ان کی مقبولیت اوروں سے زیادہ رہی جبکہ کچھ ایسے نام بھی شامل تذکرہ ہیں جنھوں نے فلمی دنیا میں اداکاری کے ساتھ ساتھ گائیکی یا ہدایت کاری میں بھی اپنی پہچان قائم کی ہے۔ کتاب میں بیگم اختر، شکیلہ بانو بھوپالی اور امیر بائی کرناٹکی کا ذکر آپکو بطور اداکارہ ملے گا جبکہ ان کی اصل شناخت انکی گائیکی سے ہوئی لیکن چونکہ وہ فلمی پردے پر آئیں اس لئے ان کا ذکر شامل نہ کرنا زیادتی کے مترادف ہوتا۔

ہندی فلموں کے ایک صدی سے زیادہ کے سفر میں بعض شروعاتی فلمیں تو ایسی ہیں جنکی ویڈیو فٹیج تک دستیاب نہیں رہ گئی ہے ایسے میں ان میں شامل اداکاراؤں کی تفصیل حاصل کرنا کتنا مشکل رہا ہوگا اس کا کماحقہ اندازہ وہی ارباب فن کر سکتے ہیں جو خود اس مرحلہ سے دوچار ہوئے ہوں۔

1912 سے 2012 تک کے اس فلمی دنیا کے سفر میں ہندی فلموں نے بہت سارے رنگ دیکھے ہیں۔ خاموش فلموں کے بعد بولتی فلمیں اور پھر ان فلموں میں مختلف شیڈس کے ادوار آئے۔ مرکزی دھارے کی تفریحی ہندی فلموں کے ساتھ ساتھ متوازی سنیما کا سفر بھی طے ہوتا رہا۔ ستارے چمکے اور خوب چمکے، پھر بتدریج مندمل ہوتے چلے گئے، انکی جگہ نئے لوگوں نے لے لی۔ طلوع وغروب ہوتے سورج کے اس سفر میں ایک چیز اپنی جگہ بہر حال مستحکم بنی رہی اور وہ تھی فلموں کی مقبولیت۔ بعض اداکاروں کی شہرت کا ستارہ بلندی اور پستی کے درمیان بھلے ہی ڈولتا رہا ہو لیکن فلموں کی مقبولیت کا ستارہ سدا بام عروج پر ہی رہا۔

فلمی ستاروں کی فلمی پردے پر چمکتی دمکتی زندگی اور اصل زندگی کے درمیان جو باریک پردہ تنا رہا اس میں سے چھن چھن کر اکثر باتیں عوام تک بھی پہنچیں۔ خواجہ احمد عباس نے اپنے ایک مضمون میں ذکر کیا تھا کہ ان کے دروازے کی گھنٹی کس طرح ان نوجوان لڑکیوں

اورلڑکوں کے ذریعہ اکثر بجائی جاتی رہی ہے جوفلموں میں قسمت بنانے کا خواب لئے آتے تھے۔ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ان میں سے زیادہ تر کے خواب بمبئی کی بھاگتی دوڑتی زندگی اور فلموں کی طلسماتی دنیا میں کہیں ٹوٹ پھوٹ کر بکھر جاتے یا کھو جاتے تھے۔ ہاں یہ بھی حقیقت ہے کہ امیتابھ بچن جیسے بھی کچھ نام رہے جنہیں خواجہ احمد عباس نے موقع دیا اور بعد میں وہ اتنا بڑا نام بنے جسکی توقع شائد خود انہوں نے بھی نہ کی ہو۔

بہرحال چاہے سنیما کی ٹکٹ گھر کی کھڑکی پر لائن لگائے کھڑی بھیڑ ہو یا پھر فلم کے لئے آڈیشن دینے آئے نوجوان لڑکے لڑکیوں کی قطار، دونوں ہی کی دلچسپ داستانیں ہیں اور دونوں میں ایک چیز مشترک ہے 'گلیمر کے تئیں دیوانگی'۔ مجھے خوشی ہے کہ میں ایسے طلسماتی ماحول کی چند پریوں کے تذکرے کو کتابی شکل میں اکٹھا کر کے آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

اس کتاب کے متن اور اس میں شامل اسماء سے کسی کی دل آزاری یا تضحیک ہمیں ہرگز مقصود نہیں ہے۔ ہم نے اس بات کی پوری کوشش کی ہے کہ صرف حقائق کو اکٹھا کر کے ایک جگہ جمع کر دیا جائے۔ کسی کی ذاتی یا پیشہ وارانہ زندگی پر تبصرہ کرنے یا رائے زنی کرنے سے ہم نے ہرممکن اجتناب کیا ہے لیکن اگر غلطی سے اس کتاب میں کوئی بات ایسی شامل ہو گئی ہو جس سے کسی کو تکلیف یا صدمہ پہنچا ہو تو اس کے لئے میں پیشگی طور پر معذرت خواہ ہوں۔

اس کتاب کی تکمیل کے لئے جن اصحاب نے میری مدد کی ان سب کا شکریہ ادا کرنا میرا اخلاقی فرض ہے۔ میں اپنے دوست اور ہم پیشہ جناب متین احمد صاحب کا تہہ دل سے مشکور و متشکر ہوں کہ انہوں نے اپنے مفید مشوروں اور اچھے خیالات سے مجھے نوازا۔ جناب ڈاکٹر شکیل اختر کا بھی میں شکر گذار ہوں کہ انہوں نے اس کام میں میرا تعاون کیا۔ محترمہ انجینئر صبا پروین صاحبہ کا بھی میں مشکور ہوں جو خود تو انجینئر ہیں لیکن ایک اعلیٰ ادبی ذوق اور ہندی فلموں پر اچھی دسترس رکھتی ہیں، ان کے مشورے میرے لئے کار آمد ثابت

ہوئے۔میں دل وجان سے اپنے خاص شاگرد مالک اشتر نقوی کا بے حد ممنون ہوں۔ انہوں نے جانفشانی اور سنجیدگی کے ساتھ اس کام میں میری مدد کی کہ یہ کتاب مکمل ہو سکی۔ان کے علاوہ میں کنیز صادقہ، ندیم احمد اور محمد علم اللہ کا بھی ممنون ہوں۔خداوند قدوس ان حضرات کے علمی وادبی ذوق کومزید بالیدہ کرے۔

'ایں دعاازمن واز جملہ جہاں آمین باد'۔

کتاب آپ کے پیش نظر ہے۔ مجھے امید ہے کہ ارباب فکر اور صاحبان قلم حضرات کتاب کے مطالعہ کے بعد اپنے گرانقدر خیالات اور مشوروں سے نوازیں گے۔صاحبان علم و دانش کی خدمت میں میری یہ چھوٹی سی کوشش پیش خدمت ہے۔'گر قبول افتد زہے عز و شرف'۔

غیاث الرحمٰن
اے جے کے ماس کمیونی کیشن ریسرچ سینٹر
جامعہ ملیہ اسلامیہ، جامعہ نگر، نئی دہلی۔۲۵
موبائل نمبر:9911982682
ای میل:syedgr@gmail.com

اختری بائی فیض آبادی عرف بیگم اختر

بیگم اختر شہرۂ آفاق گلوکارہ ہونے کے ساتھ ساتھ بطور اداکارہ فلمی پردے پر بھی آئیں۔ بیگم اختر کی پیدائش 17 اکتوبر 1914 کو ہوئی تھی۔ غزل، دادرا اور ٹھمری کی معروف گلوکارہ بیگم اختر نے فیض آباد میں آنکھیں کھولی تھیں۔ بیگم اختر کے والد اصغر حسین ایک وکیل تھے۔ بیگم اختر کی والدہ کا نام مشتری تھا۔ اصغر حسین نے مشتری سے عشق کر کے شادی کر لی تھی۔ مشتری ان کی دوسری بیوی تھیں۔

پٹنہ کے معروف سارنگی نواز اور استاد عماد خان اور پٹیالہ کے عطار خان سے بیگم اختر نے موسیقی کی تربیت حاصل کی۔ پندرہ برس کی عمر میں بیگم اختر نے پہلی مرتبہ موسیقی کے پروگرام میں اپنے فن کا مظاہرہ کیا۔

بیگم اختر نے گلوکاری تو کی ہی سنیما کے پردے پر بھی انہوں نے اپنی اداکارانہ صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔ محبوب خان کی فلم ''روٹی'' کے علاوہ کئی دیگر فلموں میں بھی وہ نظر آئیں۔

1945 میں بیگم اختر نے بیرسٹر اشتیاق احمد عباسی سے شادی کر لی اور بیگم اختر کے طور پر مشہور ہوئیں۔ چونکہ ان کے شوہر کو پسند نہیں تھا کہ وہ گلوکاری کریں اس لئے وہ تقریباً پانچ برسوں تک گائیگی سے دور رہیں چونکہ گلوکاری ان کی فطرت میں شامل تھی لہٰذا وہ اس سے دوری گوارہ نہ کر سکیں اور بیمار پڑ گئیں۔ ان کے شوہر نے بعد میں انھیں گائیگی کی اجازت دے دی۔

30 اکتوبر 1974 کو بیگم اختر نے اس دنیا کو الوداع کہا۔

جن فلموں میں بیگم اختر نے کام کیا ان میں ممتاز بیگم (1934)، جوانی کا نشہ (1935)، کنگ فار اے ڈے (1933)، امینہ (1934)، روپ کماری (1934)، نصیب کا چکر (1936)، انار بالا (1940)، روٹی (1942) اور جلسہ گھر (1958) شامل ہیں۔

آمنہ شریف

آمنہ شریف کی پیدائش عروس البلاد شہر ممبئی میں ہوئی ۔ ان کے والد ہندوستانی ہیں جب کہ ان کی ماں بحرین سے تعلق رکھتی ہیں۔آمنہ شریف کی تعلیم باندرا کے سینٹ انینیس ہائی اسکول میں ہوئی۔

کہا جاتا ہے کہ ان کے تعلقات ''کہیں تو ہوگا'' کے اداکار راجیو کھنڈیلوال سے تھے۔ جب کہ وہ دونوں کبھی ساتھ نہیں رہے۔آمنہ کے فلمی کیریئر کا آغاز فلم ''آلو چاٹ'' سے ہوا جس میں آمنہ کے ساتھ آفتاب شیو دیسانی تھے لیکن کبھی کھنڈیلوال کے تعلقات کی بابت کوئی بات منظر عام پر نہ آئی۔

آمنہ شریف جب کالج کے سکینڈ ایئر میں تھی تو انھیں کلوز اپ ٹوتھ پیسٹ، بی ٹیل موبائل فون، امامی کوسمیٹک کریم، کلیر سل اِسکن کریم، نیس کیفے اور کئی کمپنیوں کی جانب سے ماڈلنگ کے مواقع ملے۔آمنہ شریف نے کمار سانو کی میوزک البم ''دل کا عالم میں کیا بتاؤں تجھے''، پھالگنی پاٹھک کا گانا ''یہ کس نے جادو کیا''، ابھجیت کا ''چلنے لگی ہیں ہوائیں''، دلیر مہندی کا ''ای لے سورو پیہ'' اور شیتل کا ''ناچنا کمال تیرا'' میں کام کیا۔

آمنہ شریف نے ٹیلی ویژن کے پروگرام ''کہیں تو ہوگا'' سے اداکاری کا آغاز کیا۔ یہ شو کافی کامیاب رہا اور اسٹار پلس کا سب سے مقبول ترین سیریل ثابت ہوا۔

آمنہ شریف نے پہلی فلم ''آلو چاٹ'' (2009) میں آفتاب شیو دیسانی کے ساتھ کام کیا۔اسی سال آمنہ شریف نے شیو دیسانی کے ساتھ دوسری فلم ''آؤ وِش کریں'' میں

بھی کام لیا۔

آمنہ شریف نے جن ٹیلی ویژن پروگراموں میں کام کیا ان کے کچھ نام یہ ہیں:
''ڈیل یا نو ڈیل''، ''کہیں تو ہوگا''، ''سن لینا''، ''کھل جا سم سم''، ''انا''، ''کہانی گھر گھر کی''، ''رن میرا اسٹار سپر اسٹار''، ''باٹلی والا ہاؤس نمبر 43''

امیر بائی کرناٹکی

امیر بائی کرناٹکی اپنے زمانے کی معروف گلوکارہ اور فلم اداکارہ تھیں۔ان کی پیدائش 1906 میں کرناٹک کے بیجاپور ضلع کے بگلی گاؤں میں ہوئی۔امیر بائی نے شروعاتی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ممبئی کا رخ کیا۔اس وقت ان کی عمر پندرہ برس تھی۔

1934 میں فلم ''وشنو بھکتی'' میں امیر بائی کو کام ملا۔یہ کام دلوانے میں ان کی بہن گوہر بائی کی سفارش کا دخل تھا۔امیر بائی نے بدری کنچن والا سے شادی کی۔فلموں میں اداکاری اور گائیکی کے میدان میں اپنی نمایاں شناخت حاصل کرنے والی امیر بائی کرناٹکی کا 1965 میں انتقال ہوا۔بیجاپور میں آج بھی ان کی یادگار کے طور پر امیر ٹاکیز نامی سنیما ہال موجود ہے۔

امیر بائی نے جن فلموں میں کام کیا ان میں بوائے فرینڈ (1961)، ڈارک اسٹریٹ (1961)، بے درد زمانہ کیا جانے (1959)، ہم پنچھی ایک ڈال کے (1957)، خدا کا بندہ (1957)، مسٹر ایکس (1957)، صبح کا تارہ (1954)، معشوقہ (1953)، دیوانہ (1952)، بے وردی اور لوکش (1951)، سپاہیا (1949)، ودھیا (1948)، حق دار (1946)، بھرت ملاپ (1942)، نرسی بھگت (1940)، اور یاسمین (1935) شامل ہیں۔

امیر بائی گلوکاری کے میدان میں بھی بے حد معروف ہوئیں۔آج بھی وہ بطور گلوکارہ بے حد مشہور ہیں اور ان کی گائیکی کو معیاری تصور کیا جاتا ہے۔فلمی اداکاری کی دنیا میں امیر بائی نے جو نام قائم کیا اس کا شہرہ ان کے انتقال کے مدتوں بعد تک آج بھی ہے۔

انوری بائی

بالی ووڈ کی دنیا میں 1949 سے لے کر 1975 تک کی مشہور فلموں میں کام کرنے والی ایک نامی اداکارہ انوری بائی ہیں۔ انوری بائی 1949 میں محبوب خان اور ایس ایف حسنین جیسے نامی گرامی ڈائریکٹر کی فلموں ''انداز'' اور ''دنیا'' سے اپنے کیریئر کی شروعات کی۔ اور اس کے بعد 1975 تک تقریباً 17 فلموں میں کام کیا۔ نو بہار (1952) میں، مسٹر اینڈ مسز (1955)، حاتم طائی کی بیٹی، شری چار سو بیس (1955) میں، مہندی (1958) میں، جس دیس میں گنگا بہتی ہے، بمبئی کا بابو (1960) میں، میم دیدی، اور کابلی والا (1961) میں، فولاد (1963) میں، وہ کون تھی، اور دلہا۔دلہن (1964) میں، گوپال کرشنا (1965) میں، بڈھا مل گیا (1971) میں، اور چیتالی (1975) میں آئی ان کی مشہور فلمیں ہیں۔

انوری بیگم

انوری بیگم 1930 اور 1940 کی دہائی کی جانی پہچانی فلم اداکارہ تھیں۔ انوری بیگم کو ''پارو'' کے لقب سے بھی پکارا جاتا تھا۔ 1932 میں بننے والی فلم ''ہیر رانجھا'' برصغیر میں بننے والی پہلی پنجابی فلم تھی۔ اس فلم میں انوری بیگم نے رفیق غزنوی کے ساتھ کام کیا تھا۔ رفیق غزنوی انوری بیگم کے شوہر بھی تھے۔

1930 اور 1940 کے آس پاس کی متعدد معروف فلموں میں انوری بیگم نے کام کیا۔ ان کا کام مقبول ہوا اور بطور اداکارہ انہوں نے خوب شہرت حاصل کی۔

انوری بیگم نے جن مشہور زمانہ فلموں میں کام کیا ان میں عورت کا پیار، پورن بھگت، ناگن، ڈاکو کی لڑکی، آنسو کی دنیا، جیون نیا، زلزلہ، گلبدن، پیام عشق، مسٹر 420، رتنا لٹیری، پیار، فرمان، دعوت، چندن، راہ گیر، سلمیٰ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

1936 کی فلم ''اچھوت کنیا'' میں انوری بیگم کا کام خوب سراہا گیا۔ یہ فلم نہ صرف یہ کہ اپنے زمانے میں بہت مشہور ہوئی بلکہ آج تک اسے ہندی سنیما کی ایک معیاری فلم گردانا جاتا ہے۔

1936 میں ہی ''ماں کی ممتا'' فلم میں انوری بیگم نے اپنی اداکاری کے جوہر دکھائے اور دادو تحسین حاصل کی۔

انوری بیگم کی صاحبزادی نسرین بھی ایک اداکارہ کے طور پر مشہور ہوئیں۔ انوری بیگم کی نواسی سلمیٰ آغا نے بھی اداکاری کے شعبہ میں خوب نام کمایا۔

انوری بیگم نے جن فلموں میں بھی کام کیا اپنی ایک نمایاں شناخت قائم کی اور آج بھی انھیں ایک باصلاحیت اور کہنہ مشق اداکارہ کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔

بیگم پارہ

ہندی فلموں کی اداکاراؤں کے باب میں ایک اہم اور دلچسپ نام بیگم پارہ کا بھی ہے۔ بیگم پارہ فلمی دنیا میں آنے کے لئے سماج سے ٹکرائیں اور آخر عمر تک اسی دنیا میں رہیں۔ انہوں نے نرم وگرم سارے دور دیکھے اور گردش ایام کے انہیں مراحل کو طے کرتی ہوئیں وہ 2008 کے دسمبر کی ایک سرد تاریخ کو اس دنیا سے رخصت ہوئیں۔

بیگم پارہ اپنے انتقال سے 82 سال قبل جھیلم (پاکستان) میں پیدا ہوئیں۔ ان کے والد احسان الحق کا شمار اپنے زمانے کے محترم افراد میں ہوتا تھا۔ وہ پیشے سے جج تھے۔ بیگم پارہ نے جب فلمی دنیا میں جانے کا فیصلہ کیا تو کافی شور شرابا ہوا۔ چونکہ اس زمانے میں فلمی اداکاراؤں کا پیشہ شرفاء کے لئے شایان شان تصور نہیں کیا جاتا تھا اس لئے جب ایک معروف جج کی بیٹی کے فلمی دنیا میں جانے کی خبر آئی تو لوگوں نے اس کو کافی اسکینڈل بنایا۔ خود بیگم پارہ کے والد بھی فکر مند ہوئے مگر چونکہ گھر والوں کو احساس تھا کہ بیگم کو اس کے ارادوں سے باز رکھنا ممکن نہیں اس لئے انہوں نے ہلکے پھلکے احتجاج پر اکتفا کیا اور اس کے راستے میں کبھی حائل نہ ہوئے۔

بیگم پارہ کی پہلی فلم 1944 میں آئی۔ پربھات پروڈکشن کی اس فلم کا نام "چاند" تھا۔ چاند کے بعد تو بیگم پارہ کی فلموں کی ایک لمبی فہرست ملتی ہے جن میں سے اکثر کامیاب ہوئیں۔ چھمیا، شالیمار (1946)، دنیا ایک سرائے، لٹیرا، مہندی، نیل کمل اور زنجیر (1947)، جھرنا، شہناز اور سہاگ رات (1948)، دادا (1949)، مہربانی (1950)، لیلیٰ

مجنوں اور نیا گھر (1953)، آدمی (1957) اور دوستانے (1956) ان کی اہم فلمیں رہیں۔
بیگم پارہ کی شادی ناصر خان سے ہوئی جو خود ایک فلمی اداکار اور شہرۂ آفاق سپر اسٹار دلیپ کمار کے چھوٹے بھائی تھے۔ ناصر خان کچھ دنوں تک ساتھ نبھانے کے بعد موت کے بہانے بیگم پارہ کو داغ مفارقت دے گئے اور اس طرح بیگم ایک مرتبہ پھر اکیلی پڑ گئیں۔ شوہر کے انتقال کے بعد وہ کچھ دنوں کے لئے پاکستان بھی گئیں۔
فلموں سے بیگم پارہ کا جذباتی رشتہ ہمیشہ رہا۔ اپنی بیماری اور پیرانہ سالی کے باوجود انہوں نے 2007 میں فلم ''سانوریا'' میں کام کرنے کے لئے حامی بھر لی۔ چونکہ وہ بہت لاغر ہو چکی تھیں لہٰذا بدقت تمام وہیل چیئر میں بیٹھ کر سیٹ پر آتیں اور دن بھر شوٹنگ میں رہتیں۔
اخیر عمر میں وہ اپنے ایام شباب کو شدت سے یاد کرتیں اور تذکرہ کرتیں کہ انہوں نے کس طرح کی تنقید اور برائی کو خاطر میں لائے بنا ہمیشہ وہ کیا جو انہوں نے چاہا۔
دسمبر 2008 میں ممبئی میں بیگم پارہ انتقال کر گئیں۔ ان کے صاحبزادے ایوب بھی اداکاری سے ہی جڑے ہوئے ہیں۔

بے بی ناز

بے بی ناز ایک چائلڈ آرٹسٹ کے طور پر فلمی دنیا میں آئیں اور تقریباً چھتیس برسوں تک اسی دنیا میں بطور اداکارہ رہیں۔ 1954 میں آنے والی فلم ''بوٹ پالش'' سے بے بی ناز کی قسمت کا ستارہ بلندیوں تک پہنچ گیا۔ اس فلم کے ڈائریکٹر پرکاش اروناتھے۔ راج کپور بینر کی اس فلم نے دنیا بھر میں مقبولیت کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ اس فلم میں بے بی ناز نے رتن کمار کے ساتھ کم عمر بہن بھائی کا کردار ادا کیا، جن کی ماں مر چکی ہے اور رشتہ داروں نے انھیں در در بھیک مانگنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اس فلم میں ناز نے اداکاری کا وہ جوہر دکھایا کہ لوگ برملا عش عش کر اٹھے۔ 1955 میں کانس فلمی میلے میں انھیں چائلڈ آرٹسٹ کا ایوارڈ عطا کیا گیا۔ اس فلم نے بے بی ناز کی شہرت ملک کے اندر ہی نہیں دنیا بھر میں پھیلا دی۔ کہا جاتا ہے کہ بوٹ پالش میں کام ملنے سے پہلے بے بی ناز کی والدہ انھیں لے کر روز فلم سازوں کے گھروں اور اسٹوڈیو کے چکر لگاتی تھیں تا کہ بے بی ناز کو کام مل جائے۔

بے بی ناز نے اس کے بعد جن فلموں میں کام کیا ان کی ایک طویل فہرست ہے۔ بے بی ناز کی شادی اداکار سبّی راج سے ہوئی۔ بے بی ناز نے تمام اہم فلم سازوں کے ساتھ کام کیا جن میں ہری کیش مکھرجی، بمل رائے، خواجہ احمد عباس اور بلراج ساہنی شامل ہیں۔

بے بی ناز نے اپنے شوہر سبّی راج کے ساتھ ''میرا گھر میرے بچے'' اور ''دیکھا پیار تمہارا'' فلموں میں کام کیا۔ سبّی راج فلمساز راج کپور کے رشتے کے بھائی بھی تھے۔ علاوہ ازیں بے بی ناز نے فیروز خان، محمود اور سدیش کمار کے ساتھ بھی فلمیں بنائیں۔

اکتوبر 1995 میں بے بی ناز انتقال کر گئیں۔ انہوں نے جن فلموں میں کام کیا ان میں گناہ (1953)، صبح کا تارہ اور شمع پروانہ (1954)، رفتار، لگان، مست قلندر، کندن اور حاتم طائی کی بیٹی (1955)، راجدھانی، ایک شعلہ اور ایک ہی رشتہ (1956)، پائل اور مسافر (1957)، یہودی، لاجونتی، ہوم لائف، گھر گرہستی اور دو پھول (1958)، کنگن، کاغذ کے پھول، جاگیر، ہیرا موتی، چار دل چار راہیں اور اردھانگنی (1959)، ماں باپ، دل اپنا اور پریت پرائی، زندگی اور خواب اور گنگا جمنا (1961)، من موجی (1962)، پیار کا بندھن، مجھے جینے دو اور میرے ارمان میرے سپنے (1963)، کیسے کہوں، ہر گلس، چار درویش، باغی اور مجبور (1964)، چھیلا بابو اور بہو بیگم (1967)، روٹھا نہ کرو، کٹی پتنگ، ہمت اور سچا جھوٹا (1970)، جلوہ، دشمن، ہاتھی میرے ساتھی، پریتم (1971)، وفا، شور اور شادی کے بعد (1972)، سمجھوتا، راجہ رانی (1973)، وہ میں نہیں، پیسے کی گڑیا، دو آنکھیں، دوست اور پھر کب ملوگی (1977)، سیوک اور سپاہی (1975)، بے راگ اور آپ بیتی (1976)، کرم (1977)، چکر پہ چکر (1977)، بھولا بھالا اور میں تلسی تیرے آنگن کی (1978)، شری مان شریمتی اور سوامی دادا، باکسر اور پھلواری (1984)، اور شیشہ نامی ٹی وی سیریز (1986) شامل ہیں۔

پروین بابی

4/اپریل 1954 میں پیدا ہوئیں اور 20 جنوری 2005 میں انتقال ہوا۔

ان کے والد ولی محمد بابی، نواب جونا گڑھ کے ناظم اعلیٰ تھے۔ بڑا زمینداروں والا خاندان تھا۔ ان کی شادی کے 14 سال بعد بڑی منتوں مرادوں کے بعد پروین بابی پیدا ہوئی، جوان کی اکلوتی اولاد تھی۔ جب وہ سات سال کی ہوئی تو ان کے والد کا انتقال ہوگیا۔ St. Xevier's College, Ahmadabad سے گریجویشن کرنے کے بعد فلموں میں قدم رکھا۔ اپنی بے باک اداکاری اور مغربی خدوخال کے ساتھ ہندی فلموں میں بہت جلد مقبول ہوگئی۔ تمام عمر مختلف مردوں کے ساتھ ان کے تعلقات کی افواہیں سرگرم رہیں۔ 1973 میں مشہور کرکٹر سلیم درّانی کے ساتھ فلم ''چرتر'' میں پہلی بار ہیروئن بنی۔ اگرچہ فلم ناکامیاب رہی، لیکن پروین بابی اپنی طرف توجہ مرکوز کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ ان کی پہلی کامیاب فلم مجبور 1974 میں امیتابھ بچن کے ساتھ منظر عام پر آئی اور پروین بابی ''ایک حسن بے پرواہ'' کی علامت بن کر ابھریں۔ زینت امان کی طرح پروین نے بھی کسی روایت اور بندشوں کی پرواہ کیے بغیر نہایت بے باک کردار ادا کیے۔ وہ پہلی ہندوستانی ایکٹریس بنی، جس کی تصویر Time میگزین کے کور پیج پر شائع ہوئی۔ سپر اسٹار امیتابھ بچن کے ساتھ ان کی جوڑی کو خوب پسند کیا جانے لگا اور لگاتار کئی فلمیں سپرہٹ ہوتی چلی گئیں جیسے دیوار، امر اکبر انتھونی، شان، کالیہ اور خوددار وغیرہ۔ ششی کپور کی ہیروئن کے روپ میں بھی انہوں نے کئی اچھی فلمیں کیں جیسے سہاگ، کالا پتھر اور نمک حلال۔ جتیندر کے ساتھ میری آواز سنو، ونود

کھنہ کے ساتھ ''دی برننگ ٹرین'' منوج کمار کے ساتھ کرانتی اور مارک زبیر کے ساتھ ''یہ نزدیکیاں''۔ 1983 میں وہ نیویارک چلی گئیں۔ ان کی آخری فلم ''ارادہ'' تھی جو بعد میں 1990 میں ریلیز ہوئی۔

بعد میں وہ کافی بیمار ہوگئیں۔ یہاں تک کہ ان کی دماغی حالت پر بھی اثر پڑا اور سب سے علیحدگی اختیار کر کے تنہا اپنے فلیٹ میں رہنے لگیں۔ بالآخر 22/جنوری 2002 میں وہ اپنے بند فلیٹ میں مردہ پائی گئیں۔

تبو

تبسم ہاشمی عرف تبو کی پیدائش 4 نومبر 1971 کو ہوئی تھی۔ حیدر آباد دکن میں جمال ہاشمی اور رضوانہ کے گھر پیدا ہوئیں، تبو آگے چل کر ہندی سنیما کے علاوہ جنوبی ہند کی فلموں کی ایک جانی پہچانی اداکارہ بنیں۔ تبو کی والدہ ایک اسکول ٹیچر تھیں۔ تبو نے حیدر آباد کے سینٹ انس ہائی اسکول سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ ممبئی کے زیویرس کالج سے تبو نے مزید تعلیم حاصل کی۔ تبو فلم اداکارہ فرح ناز کی بہن ہیں۔ تبو کو دو بار بہترین اداکارہ کا نیشنل فلم ایوارڈ بھی ملا۔ تبو جن فلموں میں کام کرنے کے سبب اپنی نمائندہ شناخت بنانے میں کامیاب رہیں ان میں ''بارڈر، ساجن چلے سسرال، بیوی نمبر ون، ہم ساتھ ساتھ ہیں، ماچس، وراثت، استتوا، چاندنی بار، مقبول اور چینی کم'' خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ تبو نے پہلی دفعہ مرکزی کردار بونی کپور کی فلم ''پریم'' میں سنجے کپور کے ساتھ نبھایا تھا۔

تبو نے بہت جلد ہی اپنی اداکاری کی بدولت اپنی الگ شناخت بنالی۔

ابتدائی دور میں تبو نے فلم ''بازار'' میں ایک چھوٹا سا کردار ادا کیا تھا۔ یہ فلم 1980 میں ریلیز ہوئی تھی۔ اس کے بعد ''ہم نوجوان'' (1985) میں انہوں نے کام کیا، اس وقت ان کی عمر محض 14 برس تھی۔ اس فلم میں تبو نے دیو آنند کی بیٹی کا کردار نبھایا تھا۔

بحیثیت اداکارہ ان کی پہلی فلم تیلگو میں ''قلی نمبر 1'' تھی۔ تبو کی پہلی ہندی فلم جو کہ ریلیز ہوئی وہ ''پہلا پہلا پیار'' تھی۔ اس فلم کو کوئی نمایاں کامیابی نہیں مل سکی۔ فلم ''وجے پتھ'' میں اجے دیوگن کے ساتھ ان کے کام کے سبب انہیں پہلی بار زبردست مقبولیت ملی۔ یہ فلم

1994 میں ریلیز ہوئی۔ اس فلم کے لئے انھیں فلم فیئر کا بہترین اداکارہ کا ڈیبو ایوارڈ ملا تھا۔ بعد میں ان کی کئی فلمیں ریلیز ہوئیں لیکن کچھ خاص نہیں کر سکیں۔

1996 میں ان کی آٹھ فلمیں منظر عام پر آئیں جن میں ''ساجن چلے سسرال'' اور ''جیت'' غیر معمولی طور پر مقبول ہوئیں۔ ان کی فلم ''ماچس'' نے بھی نمایاں طور پر مقبولیت حاصل کی اور اسے فلمی ناقدین نے خوب سراہا۔ اس فلم میں پنجابی خاتون کا ان کا کردار بہت پسند کیا گیا۔ اسی فلم کے لئے انھیں بہترین اداکارہ کا نیشنل فلم ایوارڈ ملا۔

1997 کی انکی پہلی فلم ''بارڈر'' ریلیز ہوئی۔ 1971 کی ہند پاک جنگ پر مبنی اس فلم میں تبو نے فوجی افسر (سنی دیول) کی اہلیہ کا کردار ادا کیا تھا۔ فلم نے تمام حلقوں میں اپنی پہچان بنائی اور انتہائی کامیاب ثابت ہوئی۔ اسی سال ان کی فلم ''وراثت'' منظر عام پر آئی جو کہ باکس آفس پر کامیاب رہی ساتھ ہی فلمی ناقدین نے بھی اسے خوب پسند کیا۔ اس فلم میں ان کی اداکاری کے لئے انھیں فلم فیئر کا کریٹکس ایوارڈ دیا گیا۔

1999 میں ملٹی اسٹار فلم ''بیوی نمبر ون'' اور ''ہم ساتھ ساتھ ہیں'' کافی پسند کی گئیں۔ دونوں ہی فلمیں اس سال کی کامیاب ترین فلموں میں گنی جاتی ہیں۔ 2000ء میں تبو نے ''ہیرا پھیری'' اور ''استتوا'' فلموں میں کام کر کے ایک مرتبہ پھر اپنے فن کا لوہا منوایا۔ دونوں ہی فلمیں کامیاب رہیں۔

2001 میں وہ ''چاندنی بار'' فلم میں نظر آئیں جو کہ مدھر بھنڈارکر کی ایک اہم فلم تھی۔ اس فلم میں تبو نے بار ڈانسر کا کردار ادا کیا تھا۔ ان کا یہ کردار سراہا گیا۔ متفقہ طور پر ان کے کام کی تعریف ہوئی۔ اس فلم کے لئے ہی انھیں دوسرا بہترین اداکارہ کا نیشنل فلم ایوارڈ حاصل ہوا۔ معروف فلمی ناقد ترن آدرش نے تو یہاں تک کہا ہے کہ اگر کوئی اداکارہ پوری فلم کو اپنے کاندھوں پر سنبھال سکتی ہے تو وہ تبو ہی ہے۔

تبو نے متعدد تیلگو فلموں میں بھی کام کیا ہے جن میں کافی کامیاب فلمیں شامل ہیں۔

2003 میں تبو نے ’’مقبول‘‘ فلم میں کام کیا۔ ’’مقبول‘‘ دراصل ولیم شکسپیئر کے ڈرامے میک بیتھ پر مبنی تھی۔ فلم میں انھوں نے اداکار پنکج کپور کی بیوی کا رول ادا کیا جو کہ ایک گھریلو کارندے پر فریفتہ تھی۔ اگر چہ یہ فلم باکس آفس پر بہت زیادہ کمائی نہ کر سکی لیکن ناقدین کی نظر میں یہ فلم ایک شاندار فلم کا درجہ رکھتی ہے۔

ناقدین نے تبو کو ایک ہمہ جہت صلاحیتوں کی مالک اداکارہ قرار دیا ہے۔ ناقدین کے بقول پیچیدہ کرداروں کو نبھانے میں وہ ایک منفرد اداکارہ ہیں۔ تبو نے فلم ’’فنا‘‘ میں معاون اداکارہ کے طور پر کام کیا۔ 2006 میں آنے والی یہ فلم ایک غیر معمولی طور پر کامیاب فلم تھی۔ 2007 میں ہالی ووڈ کی ایک فلم ’’نیم سیک‘‘ میں انہوں نے کام کیا۔ اس فلم کے لئے ان کے کام کو پسند کیا گیا۔ اس فلم کو میرا نائر نے بنایا تھا۔

فلم ’’چینی کم‘‘ میں انہوں نے 34 سالہ خاتون کا کردار ادا کیا جس کا معاشقہ ایک 64 سالہ شخص سے ہے۔ 64 سالہ شخص کا کردار امیتابھ بچن نے نبھایا تھا۔ حالانکہ بے جوڑ رشتوں کے حوالے سے بعض حلقوں نے اسے متنازعہ فلم بھی قرار دیا۔

2010 میں انہوں نے فلم ’’تو بات پکّی‘‘ میں مرکزی کردار ادا کیا۔ اس فلم کے ذریعہ انہوں نے تین سال بعد بالی ووڈ میں واپسی کی تھی۔ اسی سال ان کی فلم ’’خدا قسم‘‘ ریلیز ہوئی جس میں انہوں نے سنی دیول کے ساتھ کام کیا تھا۔

تبو نے جن فلموں میں کام کیا ان میں ہم نوجوان (1985)، قلی نمبر ون (تیلگو) (1991)، پہلا پہلا پیار (1994)، وجے پتھ (1994)، پریم (1995)، ساجن کے ہاتھوں میں (1995)، حقیقت (1995)، ساجن چلے سسرال (1996)، کالا پانی (1996)، ہمت (1996)، تو چور میں سپاہی (1996)، جیت (1996)، ماچس (1996)، وراثت (1997)، درمیان (1997)، بارڈر (1997)، چاچی 420 (1998)، ٹو تھاؤزنٹ ون (1998)، ہنومان (1998)، کہرام (1999)، ہم ساتھ ساتھ ہیں

(1999)، ہوتو تو تو (1999)، بیوی نمبر ون (1999)، تکشک (1999)، ہیرا پھیری (2000)، ترکیب (2000)، دل پہ مت لے یار (2000)، شکاری (2000)، استوا (2000)، گھاٹ (2001)، دل نے پھر یاد کیا (2001)، چاندنی بار (2001)، آمدنی اٹھنی خرچہ روپیہ (2001)، ماں تجھے سلام (2002)، فی الحال (2002)، زندگی خوبصورت ہے (2002)، ساتھیا (2002)، خنجر (2003)، ہوا (2003)، اوم شانتی اوم (2007)، تو بات پکی (2010) خصوصیت سے شامل ہیں۔

تبسّم

تبسم، فلمی دنیا کی ہر فن مولیٰ کردار کے روپ میں جانی جاتی ہیں۔ بچپن سے ہی فلموں میں کام کرنا شروع کر دیا۔ 9 سال کی عمر میں 1947 میں پہلی فلم ''سہاگ'' میں قدم رکھا اور بے بی تبسم کے نام سے مشہور ہو گئیں۔ 1949 میں بڑی بہن، 1950 میں Melody اور جوگن، 1951 میں دیدار، بہار، اور آرام، 1952 میں موتی محل اور بے جو باورا، 1954 میں باپ بیٹی، 1960 میں مغل اعظم، 1961 میں دھرم پتر، 1963 میں پھر وہی دل لایا ہوں، 1964 میں دارا سنگھ، 1965 میں باکسر اور محبت اس کو کہتے ہیں، 1966 میں زنبو کا بیٹا اور کنواری، 1967 میں دلہن ایک رات کی، 1968 میں لہو پکارے گا اور ابھیلا شا، 1969 میں تلاش اور پیار کا موسم، 1970 میں گنوار، بچپن، ہیر رانجھا اور جانی میرا نام، 1971 میں شری کرشن لیلا، شری کرشن ارجن یدھ، لڑکی پسند ہے، ہلچل، گیمبلر، ادھیکار اور تیرے میرے سپنے، 1972 میں شادی کے بعد اور آن بان، 1973 میں ہیرا، 1974 میں ماں بہن اور بیوی، 1978 میں قسمیں وادے، 1985 میں حقیقت، زبردست، سرسنگم اور ہم نوجواں، 1986 میں چمیلی کی شادی، 1989 میں آخری غلام، 1990 میں اگنی پتھ اور تھانیدار، 1991 میں ہم، 1994 میں ضد، 2006 میں پیار کے دو نام - ایک رادھا ایک شیام۔

اس کے علاوہ تبسم ٹیلی ویژن کی معروف اور مقبول اینکر رہی ہیں۔ ستر کی دہائی کا مشہور سیریل پھول کھلے ہیں گلشن گلشن جو لگاتار 21 سال تک دوردرشن سے چلتا رہا اور جو اپنی نوعیت کا پہلا فلموں پر مبنی سیریل تھا۔ تبسم ہی اس کی نظامت کرتی تھیں۔ اس کے علاوہ بے شمار انٹرویو اور مزاحیہ پروگراموں میں نمایاں رہی ہیں۔

ثریا

ثریا جمال شیخ 15 جون 1929 کو گجرانوالا، پنجاب میں پیدا ہوئیں اور 31 جنوری 2004 (74 سال کی عمر میں) ممبئی میں انتقال ہوا۔ ثریا نے 1937 میں فلم 'اس نے کیا سوچا' میں پہلی بار بحیثیت چائلڈ آرٹسٹ کے کام کیا۔ اسی دور میں فلم 'تاج محل' میں چھوٹی ممتاز محل کا کردار ادا کیا۔ مشہور موسیقار نوشاد صاحب نے ایک مرتبہ ثریا کو آل انڈیا ریڈیو سے سنا جو بچوں کے ایک پروگرام میں گانا گا رہی تھیں تبھی انہوں نے اپنی فلم ''شاردہ'' 1942 میں ثریا سے 13 سال کی عمر میں گیت ریکارڈ کروایا۔ 1944 میں کے. آصف کی فلم ''پھول اور 1946 میں محبوب خاں کی فلم انمول گھڑی میں اہم کردار ادا کر کے ثریا سبھی کی نظروں کا مرکز بن گئی۔ 1945 میں فلم 'تعبیر' اور 1947 میں فلم 'درد' میں مرکزی کردار ادا کیے۔ اسی بیچ ایک مشق کے دوران کے. ایل سہگل نے ثریا کی آواز سنی جو انہیں بہت پسند آئی، انہوں نے سفارش کر کے اپنے ساتھ فلم ''عمر خیام'' 1946 میں اور فلم 'پروانہ' 1947 میں اپنی ہیروئن بنایا۔ ثریا کی بہتر اداکاری اور موثر آواز نے اسے بام ثریا تک پہنچا دیا بعد میں نور جہاں اور خورشید بانو کے پاکستان ہجرت کر جانے کے بعد ہندوستانی فلمی دنیا کے آسمان پر ثریا ہی چھا گئی۔ بہترین گلوکارہ ہونے کی وجہ سے انہیں اپنی ہم عصر تمام ہیروئنوں پر سبقت حاصل تھی۔ 1948 میں 'پیار کی جیت' 1949 میں 'بڑی بہن' اور 'دل لگی' کے بعد وہ سب سے مہنگی ہیروئن ہو گئیں۔ ان کی شہرۂ آفاق فلمیں 'وارث' 'مرزا غالب' اور 'رستم وسہراب' جن میں انہوں نے بہترین ادکاری کے ساتھ ساتھ اپنی آواز کے بھی جوہر دکھائے آج بھی یادگار مانی جاتی

ہیں۔

ثریا اور دیو آنند کا معاشقہ ہر خاص و عام کی زبان پر تھا۔ ایک فلم کی شوٹنگ کے دوران دیو صاحب اور ثریا ایک کشتی میں سوار تھے کہ اچانک کشتی الٹ گئی۔ دیو آنند نے ثریا کی جان بچائی اس حادثہ کے بعد ثریا ان کے عشق میں گرفتار ہوگئی۔ اور تمام عمر بغیر شادی کیے گزار دی۔ ان کی اس سچی محبت کا عکس بارہا ان کے نغموں میں درد بن کر ابھر آیا ہے۔ چنانچہ فلم 'مرزا غالب' کی غزلیں ان کی زندگی کا شعار ہوگئیں ۔

آہ کو چاہیے اک عمر اثر ہونے تک
کون جیتا ہے تیری زلف کے سر ہونے تک

دل ناداں تجھے ہوا کیا ہے
آخر اس درد کی دوا کیا ہے

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا
اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

ثنا خان

ثنا خان فلم اداکارہ اور ماڈل کے طور پر جانی جاتی ہیں۔ ثنا خان کی پیدائش ممبئی میں ہوئی تھی۔ ان کے والد ایک ملیالی مسلمان تھے۔ ان کی والدہ ممبئی کی ہی ہیں اور ان کا نام سعیدہ ہے۔ ایک ماڈل کے طور پر ممبئی میں ہی ثنا خان نے قسمت آزمائی شروع کی۔

کئی ٹی وی اشتہاروں میں کام کرنے کے بعد انھیں کچھ فلموں میں کام کرنے کا موقع ملا۔ 2008 میں آئی تامل فلم "سِلم بٹم" میں جانو کے ان کے کردار کو خوب پسند کیا گیا اور اس فلم کے لئے انھیں آئیفا کا بہترین نئی اداکارہ کا ایوارڈ بھی حاصل ہوا۔

ثنا خان نے ہندی کے علاوہ تامل، تیلگو، ملیالم اور کنٹر فلموں میں بھی کام کیا۔ ثنا خان نے جن ہندی فلموں میں کام کیا ان میں یہ ہے ہائی سوسائٹی (2005)، بامبے ٹو گوا (2007) اور دھن دھنا دھن گول (2007) شامل ہیں۔ انہوں نے جن تامل فلموں میں کام کیا ان کی تعداد 5، تیلگو فلموں کی تعداد 3 اور کنٹر و ملیالم فلموں کی تعداد ایک ایک ہے۔

"یہ ہے ہائی سوسائٹی" میں ثنا خان نے سونیا کا کردار ادا کیا تھا جسے پسند کیا گیا۔ دھن دھنا دھن گول میں انہوں نے رانی کا کردار نبھایا۔

جوہی ببّر

جوہی ببر کی پیدائش 20 جولائی 1979 کو ہوئی تھی۔ ان کے والد راج ببر اپنے عہد کے مشہور فلمی اداکار رہے ہیں۔ جوہی ببر کی والدہ نادرہ ببر بھی فلمی دنیا میں بطور اداکارہ اپنی شناخت رکھتی ہیں۔ جوہی نے اپنے والدین سے اداکاری ورثہ میں پائی ہے۔ فلمی دنیا کی شروعات ''کاش آپ ہمارے ہوتے'' فلم سے ہوئی۔ اس فلم میں ان کے ساتھ سونو نگم نے بطور اداکار کام کیا تھا۔ یہ بات الگ ہے کہ فلم باکس آفس پر پٹ گئی۔ 2005 میں جوہی نے جمّی شیر گل کے ساتھ پنجابی فلم ''یارا نال بہاراں'' میں کام کیا۔ فلم کافی مقبول ہوئی۔

جوہی نے موہن لال کے ساتھ ایک خاموش فلم میں بھی کام کیا ہے۔ ان کی آنے والی فلم ''اٹس مائی لائف'' میں انہوں نے سونیا جے سنگھ کا کردار نبھایا ہے۔ اس فلم کے دیگر اداکار ہرمن بویجا، نانا پاٹیکر اور جنیلیا ڈی سوزا ہیں۔

فی الحال وہ ایک مزاحیہ ٹی وی پروگرام ''گھر گھر کی بات ہے'' میں ایک خاتون خانہ کا کردار نبھا رہی ہیں۔ انہوں نے بھی جوئے نابیار سے شادی کی تھی جو دو سال بعد علیحدگی پر ختم ہوئی۔ حال ہی میں انہوں نے اداکار انوپ سونی سے شادی کی ہے۔ انوپ سے ان کی ملاقات اپنی والدہ نادرہ ببر کے ایک ڈرامہ کے دوران ہوئی تھی۔ سونی نے یہ شادی اپنی پہلی بیوی ریتو سے علیحدگی کے بعد کی ہے۔

جہاں آرا کجّن

جہاں آرا کجن 1930ء کی دہائی کی ایک معروف فلم اداکارہ تھیں۔ صرف اداکاری ہی نہیں گلوکاری میں بھی ان کی صلاحیتیں خوب مقبول ہوئیں، جہاں آرا کجن کو ہندی سنیما کی پہلی خاتون سپر اسٹار مانا جاتا ہے۔

جہاں آرا کجن کی پہلی فلم ''لیلیٰ مجنوں'' تھی جو 1931 کی فلم تھی۔ دراصل خاموش فلموں کے دور میں فلموں میں اداکاری پر اینگلو انڈین اور پارسی اداکاروں کا دبدبہ رہا۔ 1931 میں بولتی فلموں کے آنے کے بعد ان ستاروں کا دور ختم ہونے لگا اور اس کی وجہ ان اداکاروں کا ہندوستانی زبان سے نابلد ہونا تھا۔ اس دور میں اردو زبان پر اپنی اچھی گرفت کے سبب جہاں آرا کجن کو فلمی دنیا میں آگے بڑھنے کا خوب موقع ملا۔ بولتی فلموں کے شروعاتی دور میں جو فلمیں مشہور ہوئیں ان میں جہاں آرا کجن بھی نظر آئیں بالخصوص لیلیٰ مجنوں اس حوالے سے ایک اہم نام ہے۔

کجن کی اداکاری کا انداز تھیئٹر سے بہت متاثر تھا۔ ان کی اداکاری پر ان کے تھیئٹر بیک گراؤنڈ کا اثر خوب دیکھا جاتا رہا۔ ان کے فلمی کیریئر میں کئی تنازعات اور افواہیں بھی ان کے ساتھ جڑیں۔ ان کے ساتھی فلم اداکاروں کے ساتھ ان کے معاشقوں کی خبریں بھی آتی رہیں جن میں نجم الحق کا نام بھی شامل ہے۔ نجم الحق 1930 کے دہے کے ایک جانے پہچانے فلم اسٹار تھے۔

جہاں آرا کجن کی آخری فلم 1966 میں آئی فلم ممتاز محل تھی۔ ہر چند کہ کجن نے کم فلموں میں کام کیا لیکن ان کی شہرت اپنی ہم عصر اداکاراؤں کے مقابلے ہرگز کم نہیں ہوئی۔ کجن کی اداکاری نے انھیں کئی بڑی فلموں میں موقع دلوایا اور اردو پر ان کی اچھی دسترس کے سبب وہ شروعاتی بولتی فلموں کا ایک ہونہار چہرہ بن گئیں۔

جیا خان

جیا خان نے بہت جلد فلموں میں اپنی شناخت بنالی ہے۔ 20 فروری 1988 کو پیدا ہونے والی جیا خان دراصل ایک ہندوستانی نژاد برطانوی ہیں۔ ان کے والد علی رضوی خان ایک ہندوستانی نژاد امریکی اور والدہ روبیہ امین ہیں جو کہ 1980 کے دہے کی ایک جانی پہچانی فلم اداکارہ رہی ہیں۔ روبیہ امین کو طاہر حسین کی فلم ''دولہا بکتا ہے'' سے پہچان ملی۔ روبیہ کا تعلق آگرہ سے تھا۔

جیا خان نے فلم کی تعلیم لندن سے حاصل کی۔ انہوں نے نیویارک اکیڈمی آف ڈرامیٹک آرٹ میں بھی تعلیم حاصل کی۔ 14 سالہ جیا خان نے فلموں میں اپنی شروعات مہیش بھٹ کی فلم ''تم سا نہیں دیکھا'' سے کی۔ حالانکہ بعد میں ان کی جگہ فلم میں دیا مرزا کو لے لیا گیا۔ 2007 میں ان کی پہلی فلم ''نشبد'' آئی جو کہ ایک متنازعہ فلم تھی۔ اس فلم میں جیا خان نے امیتابھ کے مقابل کام کیا تھا۔ اس فلم میں جیا خان کی اداکاری اور ان کے پر اعتماد انداز کی خوب تعریفیں ہوئیں۔ حالانکہ بے جوڑ رشتوں پر مبنی اس فلم کو کافی متنازعہ بھی قرار دیا جاتا رہا ہے۔

عامر خان کے ساتھ اے آر مروگا داس کی فلم ''گجنی'' میں معاون اداکارہ کا ان کا رول بھی کافی پسند کیا گیا۔ اس فلم میں انہوں نے ایک میڈیکل اسٹوڈینٹ کا کردار نبھایا جو کہ فلم کے ہیرو کی متشدد شبیہ سے آگاہ ہو چکی ہے۔

ساجد خان کی فلم ''ہاؤس فل'' میں ایک دھوکے باز بیوی کا ان کا کردار بھی ناظرین

نے کافی پسند کیا۔ اس فلم میں دھوکہ کھانے والے شوہر کا کردار اکشے کمار نے نبھایا تھا۔ ایک اور معروف فلم ''اے ویڈنسڈے'' میں ٹی وی نیوز رپورٹر کا ان کا کردار بھی پسند کیا گیا۔

کم مدت میں اپنے کام کے بل بوتے پر نمائندہ شناخت بنانے میں کامیاب اداکاراؤں کی فہرست میں جیا خان کا نام لیا جاسکتا ہے۔

حُسن بانو

1930 اور 1940 کی دہائی کی معروف فلم اداکارہ حُسن بانو کا اصلی نام روشن آرا ہے۔ان کی پیدائش 1922 میں سنگاپور میں ہوئی تھی۔ حسن بانو کی والدہ شریفن بھی ایک فلم اداکارہ تھیں۔ حسن بانو ہندی اور اردو زبانوں کے علاوہ گجراتی اور مراٹھی پر بھی اچھی دسترس رکھتی تھیں۔اداکاری کے ساتھ ساتھ وہ گلوکاری کے فن میں بھی منجھی ہوئی تھیں۔انہوں نے پہلی بار فلم ''ڈاکو منصور'' کے ذریعہ فلمی دنیا میں قدم تھا۔اس فلم کو ہدایت کار نتن بوس نے تیار کیا تھا۔1934 میں آئی یہ فلم کافی مشہور ہوئی۔

حسن بانو کے فلمی کیریئر کی کامیاب ترین فلم ''جوانی'' کو مانا جاتا ہے۔1942 میں آئی اس فلم میں حسن بانو کی اداکاری کو خوب شہرت حاصل ہوئی۔ حسن بانو نے گلوکاری کے میدان میں بھی ہاتھ آزمائے۔ فلم ''پریم نگر'' جو کہ 1940 میں منظر عام پر آئی اس فلم میں حسن بانو نے گائیگی کی۔ یہ فلم بطور میوزک ڈائریکٹر نوشاد کی پہلی فلم تھی۔

حسن بانو نے جن فلموں میں کام کیا ان میں رضیہ سلطان (1983)، گڈی (1971)، راموا ستاد (1971)، گنگا جمنا (1961)، چاند کی دنیا (1959)، پیسہ ہی پیسہ (1956)، امر (1954)، سپاھیا (1949)، درد (1947)، کوشش (1943)، شہنشاہ (1943)، جوانی وجے (1942)، آسرا، بہن اور میری جوانی (1941)، نوجیون (1937)، دیش دیپک، ہند کیسری (1936)، ڈاکو منصور (1934) اور شکاری (1932) خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

خورشید بانو

ہندوستانی فلموں کے شروعاتی دور کا ایک اہم نام خورشید بانو ہے۔ 14 اپریل 1914 میں پیدا ہوئی۔ خاموش فلموں میں کچھ اہم کردار ادا کیے۔ فلم عالم آرام میں بھی اداکاری کی بنیادی طور پر خورشید بانو ایک گلوکارہ تھیں۔ جس کی وجہ سے فلموں میں اداکاری کے ساتھ ساتھ گانوں میں شہرت حاصل ہوگئی۔ 1930 سے 1940 کے درمیان کئی مشہور فلموں کی ہیروئن رہیں۔ 1931 میں لیلیٰ مجنوں اور ''شکنتلا'' 1932 میں چترا بکاؤلی، ہٹیلی دلہن، مفلس عاشق، رادھے شیام، 1933 میں ''نقلی ڈاکٹر'' 1935 میں ''سورگ کی سیڑھی'' "Bomb Shell"، ''چراغ حسن'' اور ''مرزا صاحبان'' 1936 میں ''اعلان جنگ'' اور ''کیماگر'' 1937 میں ''ایمان فروش'' 1938 میں ''مدھر ملن'' 1939 میں ''مراد''، ''کون کسی کا'' اور ''ستارہ''۔

اس دور میں پس پردہ گلوکاری یا Play back singing کی سہولیت نہیں تھی۔ اس لئے ہیرو ہیروئن خود ہی اپنی آواز میں گاتے اور سازندے پیڑوں کے یا دیواروں کے پیچھے چھپے رہتے تھے۔ اس لئے آپ نے دیکھا ہوگا کہ پرانی فلموں میں ہیرو ہیروئن گاتے وقت کبھی پیڑ کا سہارا لے کر، کبھی ڈال پکڑ کر یا کبھی کسی دیوار سے ٹک کر گاتے تھے۔ زیادہ تر ایک جگہ کھڑے ہو کر، یا بیٹھ کر یا لیٹ کر گانے کا رواج تھا۔ زیادہ اچھل کود یا حرکتیں نہیں تھیں۔ اس وجہ سے ایسے ہیرو ہیروئن کو زیادہ کام ملتا تھا جو خود اچھے گلوکار بھی ہوں۔ اس لئے خورشید بانو اس دور کی بڑی کامیاب ہیروئن سمجھی جاتی تھیں۔ اس دور کے مشہور اداکار کندن لال

سہگل، موتی لال جیسے راج اور ایشاری لال کے ساتھ خورشید بانو کی جوڑی بہت کامیاب رہی۔ چوتھی دہائی کی فلموں میں ان کی اداکاری کے ساتھ گانے بھی بہت مشہور ہوئے۔ 1940 میں ''مسافر'' اور ''ہولی'' (گانا: بھگوئی موری ساری رے) 1942 میں پردیسی (پہلے جو محبت سے انکار کیا ہوتا)، (موری اٹریا ہے سونی)، فلم بیٹی اور شادی (گھر گھر آئے بدریا)۔ بھکت سورداس میں (پنچھی باورا) اسی فلم کے دوسرے مشہور گانے ہیں (مدھر مدھر گارے منوا)، (جھولی بھر تارے لا دے رے) اور کے. ایل. سہگل کے ساتھ دوگانا (چاندنی رات اور تارے کھلے ہوں) خورشید بانو کے سدا بہار گانوں میں (برسو رے، گھٹا گھن گھور گھور) (''دکھیا جیارا'') (''اب راجہ بھئے مورے بلم'') اور (''مورے بالا پن کے ساتھی چھیلا'') وغیرہ۔ اس کی دیگر مشہور فلمیں 1944 میں ''ممتاز محل'' گانا (جو ہم پہ گزرتی ہے)، اور (دل کی دھڑکن بنالیا)۔ فلم شہنشاہ بابر (محبت میں سارا جہاں جل رہا ہے) (بابل آتو بھی گا) 1945 میں فلم ''پر بھو کا گھر'' اور ''مورتی'' (امواپہ کوئل بولے) (چھائی کالی گھٹا مورے بلم) 1948 میں ''آپ بیتی (میری بنتی سونو بھگوان)۔

خورشید بانو کی ہندوستان میں آخری فلم 1948 میں ''پپہارے'' جو زبردست ہٹ رہی۔ اس کے بعد وہ پاکستان چلی گئی۔ پاکستان میں انہوں نے دو فلموں میں کام کیا۔ ''فنکار'' اور ''منڈی'' لیکن وہ زیادہ کامیاب نہیں ہوئیں۔ 1956 میں شادی کے بعد انہوں نے فلموں کو الوداع کہہ دیا۔ 18 اپریل 2001 میں کراچی میں انتقال ہوا۔

خوشبو (نکہت خان)

خوشبو معروف فلم اداکارہ ہیں۔ان کی پیدائش 19 ستمبر 1970 کو ہوئی تھی۔اندھیری ممبئی کے ایک مسلمان خاندان میں پیدا ہوئیں۔خوشبو نے اندھیری کے ہی ایک اسکول میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔خوشبو کے تین بھائی ہیں۔

خوشبو نے فلمی کیریئر کی شروعات 1980 کی دہائی میں چائلڈ آرٹسٹ کے طور پر کی۔ خوشبو نے تقریباً سو فلموں میں اداکاری کی ہے جن میں سے اکثر میں وہ مرکزی کردار میں رہیں۔خوشبو نے جن اہم اداکاروں کے ساتھ کام کیا ان میں کمل ھاسن، رجنی کانت، وشنو وردھن، روی چندرن، موہن لال وغیرہ شامل ہیں۔

2005 میں خوشبو کے ساتھ ایک تنازعہ اس وقت جڑا جب انھوں نے ایک انٹرویو میں کہا کہ لڑکیوں کا شادی سے قبل سیکس کرنے میں کچھ قباحت نہیں ہے مگر اس کے لئے ضروری ہے کہ کچھ ایسے انتظامات کر لینے چاہئیں کہ ایڈس ہونے کا خطرہ نہ رہ جائے۔

خوشبو نے جن فلموں میں کام کیا ان میں ''درد کا رشتہ'' اور ''لاوارث'' (بحیثیت چائلڈ آرٹسٹ) اور ''تن بدن'' شامل ہیں۔علاوہ ازیں انہوں نے درجنوں تامل اور ملیالم فلموں میں کام کیا۔تن بدن فلم میں انہوں نے گوونداا اور فلم ''جانو'' میں جیکی شراف کے ساتھ ہیروئن کا رول ادا کیا۔وہیں فلم ''میری جنگ'' میں انل کپور کی بہن کا کردار ادا کیا۔اس فلم میں جاوید جعفری کے ساتھ ان کا ڈانس بہت سراہا گیا۔

رخسار

رخسار ایک جانی پہچانی فلم اداکارہ ہیں۔ انہوں نے متعدد فلموں میں کام کیا ہے۔
رخسار کی پیدائش رام پور کے ایک باعزت پٹھان خاندان میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم انہوں نے رام پور کے ہی گرین ووڈ اسکول سے حاصل کی۔

رخسار نے کم عمری میں ہی فلمی دنیا میں قدم رکھ دیا۔ فلمی دنیا میں رخسار کی آمد بھی کم دلچسپ نہیں رہی۔ دراصل راج کپور اپنی فلم ''حنا'' کے لئے ایک عدد نئی ہیروئن کی تلاش میں تھے۔ ان کی تلاش وجستجو ایک نوخیز اور بھولی بھالی لڑکی کے لئے تھی۔ اس کے لئے انہوں نے متعدد رسائل میں اشتہارات دئے۔ اس کے جواب میں جو فوٹو موصول ہوئے ان میں سے رخسار کی تصویر ہی پسند کی گئی۔ جس وقت یہ انتخاب ہوا اس وقت تک راج کپور دنیا کو الوداع کہہ چکے تھے اور یہ فلم ان کے صاحبزادے بنا رہے تھے۔ حالانکہ وہ اس فلم میں کام نہیں کر سکیں۔ ہاں اس کی بنیاد پر ساون کمار نے انہیں اپنی فلم کے لئے سائن کیا۔

رخسار نے متعدد فلموں میں کام کیا جن میں ''یاد رکھے گی دنیا'' (جو کہ ان کی پہلی فلم تھی) ''سرکار''، ''شیطان'' اور ''اللہ کے بندے'' خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ انہوں نے چھوٹے پردے پر بھی کام کیا ہے۔ بطور فلم اور ٹی وی اداکارہ رخسار کی ایک نمایاں شناخت ہے۔

ریحانہ

ریحانہ فلمی اداکاری کی دنیا کا ایک جانا پہچانا نام رہا ہے۔ 1940 کی دہائی کے وسط میں فلمی پردے پر ریحانہ نے اپنی آمد درج کرائی۔ شروعات میں چند ایک فلموں میں معاون اداکارہ کا کردار نبھانے کے بعد ریحانہ نے مرکزی اداکارہ کے طور پر 1946 کی فلم ''ہم ایک ہیں'' میں کام کیا۔ یہ فلم ریحانہ کے علاوہ بطور اداکار دیو آنند کی بھی پہلی فلم تھی۔

فلم ''شہنائی'' اور فلم ''سجن'' (1947) کی کامیابی کے بعد ریحانہ نے لوگوں کے دلوں پر راج کرنا شروع کر دیا۔ شہنائی میں انہوں نے شہرۂ آفاق فلم اداکار دلیپ کمار کے چھوٹے بھائی ناصر خان کے ساتھ کام کیا۔

1940 کی دہائی کا اخیر اور 1950 کی دہائی کا شروعاتی حصہ بطور اداکارہ ریحانہ کے کیریئر کا سب سے چمکدار دور تھا۔ اس دور میں ان کی شہرت بلندیوں تک پہنچ گئی۔ ریحانہ نے تقریباً تمام بڑے فلم اداکاروں کے ساتھ جوڑی بنا کر فلموں میں کام کیا جن میں دیو آنند کے ساتھ ''دل رُبا''، راج کپور کے ساتھ ''سنہرے دن'' اور ''سنگرام''، کشور کمار کے ساتھ ''چھم چھما چھم''، پریم ناتھ کے ساتھ ''سگائی'' اور پریم ادیب کے ساتھ ''ایکٹریس'' فلمیں شامل ہیں۔

1950 کی دہائی کا وسط آتے آتے ریحانہ کی شہرت کا ستارہ دھیرے دھیرے غروب کی طرف جانے لگا۔ ایک ایک کر کے ان کی فلمیں پٹنے لگیں اور انھیں اس حد تک دل برداشتہ ہونا پڑا کہ انہوں نے ہجرت کا قصد کیا۔ پاکستان منتقل ہونے کے بعد انہوں نے

وہاں بھی فلموں میں اداکاری کی۔

پاکستان میں 1956 میں فلم ''شالیمار'' کے ساتھ انہوں نے فلمی اداکاری کی شروعات کی لیکن وہاں بھی ان کی فلمیں لگاتار ناکام ہوتی گئیں۔ انہوں نے فلم پروڈیوسر اقبال شہزاد سے شادی کر لی اور فلموں سے کنارہ کش ہو گئیں۔ حالانکہ بعد میں ان دونوں کے درمیان علیحدگی ہو گئی۔ بعد میں ریحانہ نے ایک تاجر صابر احمد سے شادی کر لی۔

آج کل جو خبریں پاکستان سے آ رہی ہیں ان کے مطابق اپنے زمانے کی یہ معروف اداکارہ ان دنوں گمنامی کی زندگی گزار رہی ہیں۔

ریحانہ سلطان

ریحانہ سلطان کی پیدائش 19 نومبر 1950 کو ہوئی تھی۔ 1970 میں ''دستک'' فلم میں اپنے رول کے لئے انھیں کافی پسند کیا گیا اور اسی فلم کے لئے انھیں بہترین اداکارہ کا نیشنل ایوارڈ بھی دیا گیا۔ ریحانہ سلطان فلم اینڈ ٹیلی ویژن انسٹی ٹیوٹ آف انڈیا پونہ سے تعلیم حاصل کر چکی تھیں۔ فلم ''چیتنا'' میں اپنے بولڈ کردار کے لئے بھی انھیں خوب پسند کیا گیا۔

ریحانہ سلطان نے ہائی اسکول کیا اور اس کے بعد ایف ٹی آئی میں اداکاری میں داخلہ ملا۔ وشوناتھن اینگر کی ڈپلوما فلم شادی کی پہلی سالگرہ میں ان کے سیکسی رول کے سبب وہ کافی مشہور ہوئیں۔ راجندر سنگھ بیدی کے افسانے پر بننے والی فلم ''دستک'' (1970) سے ان کی باقاعدہ شروعات ہوئی۔ دستک فلم میں ریحانہ نے ایک مرکزی کردار ادا کیا تھا۔

کئی فلموں میں کام کرنے کے بعد 1984 میں انہوں نے شادی کر لی۔ ان کے شوہر بی آر اشارہ فلم ''چیتنا'' کے ہدایت کار تھے۔ فلموں کے بعد ریحانہ سلطان کئی ٹی وی پروگراموں میں بھی آتی رہیں۔ جن فلموں میں ریحانہ سلطان نے کام کیا ان میں 1985 میں آخری چال، 1983 میں بندھن کچے دھاگوں کا، 1981 میں جوالا ڈاکو، 1979 میں آج کی دھارا، دین اور ایمان، 1978 میں نواب صاحب، 1977 میں ایجنٹ ونود، او پر والا جانے، 1976 میں سجو رانی، 1975 میں زندگی اور طوفان، 1974 میں البیلی، کھوٹے سکے، 1973 میں بڑا کبوتر، دل کی راہیں، پریم پروت، 1972 میں ہار جیت، مان جائیے، سویرا، تنہائی، 1971 میں من تیرا تن میرا، 1970 میں دستک، چیتنا فلمیں شامل ہیں۔

رینا رائے

رینا رائے ہندی فلموں کی صف اول کی اداکاراؤں میں سے ایک رہی ہیں۔ ان کی پیدائش 7 جنوری 1957 کو ہوئی تھی۔ رینا رائے کے والد مسلمان جب کہ والدہ غیر مسلم تھیں۔ اس وقت رینا رائے صغیر السن ہی تھیں جب ان کے والدین میں علیحدگی ہوگئی۔ اپنی والدہ کی مدد کرنے کے لئے انہوں نے فلموں میں کام کرنا شروع کردیا۔ 1972 سے 1985 کے درمیان کئی اہم فلموں میں انہوں نے مرکزی کردار نبھایا۔

رینا رائے کے فلمی کیریئر کا آغاز بی آر اشارہ کی فلم ''نئی دنیا نئے لوگ'' کے ساتھ ہوا۔ یہ فلم کچھ زیادہ چل نہیں سکی۔ 1972 میں بی آر اشارہ نے انھیں دوبارہ موقع دیا۔ اس بار انھیں فلم ضرورت میں لیا گیا۔ یہ فلم پہلی فلم کی بہ نسبت کچھ بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کرسکی۔ 1973 میں فلم ''جیسے کو تیسا'' سے رینا رائے کی مقبولیت کافی بڑھنے لگی۔ اس فلم میں ''اب کے ساون'' گیت پر ان کا رقص بالخصوص پسند کیا گیا۔

1975 میں فلم ''کالی چرن'' رینا رائے کے فلمی کیریئر کا اہم موڑ رہی۔ یہ فلم دراصل سبھاش گھئی نے بنائی تھی۔ اس سے پہلے سبھاش گھئی اداکاری میں قسمت آزماتے رہے مگر ناکام ہی رہے تھے۔ اس فلم کے ہیرو شتروگھن سنہا تھے جو اس سے پہلے تک ولن کے کردار نبھاتے رہے مگر یہ فلم ان کو پہلی بار بطور ہیرو پیش کرتی تھی۔ فلم نے زبردست کامیابی حاصل کرکے سب کو چونکا دیا۔

رینا رائے نے سنیل دت کے ساتھ جوڑی بناکر بھی کئی فلمیں بنائیں۔ 1976 میں فلم

''ناگن'' کی کامیابی کے بعد راج کمار کوہلی کی ڈراؤنی فلم ''جانی دشمن'' میں بھی رینا رائے نے کام کیا۔ 1979 میں آئی اس فلم کو بھی خوب شہرت ملی۔

رینا رائے کی دو بہنیں برکھا اور انجو اور ایک بھائی راجا ہیں۔ جس وقت بطور اداکارہ رینا رائے کی شہرت کا ستارہ بلندیوں پر تھا انہوں نے فلموں سے کنارہ کرلینے کا فیصلہ کیا۔ یہ فیصلہ دراصل پاکستانی کرکٹ کھلاڑی محسن خان سے شادی کرنے کے لئے کیا تھا۔ ان کی شادی سے پہلے کی آخری فلم 1984 میں آنے والی ''انتہا'' تھی۔ حالانکہ یہ شادی زیادہ دنوں تک نہ چل سکی اور طلاق پر ختم ہوئی۔

1992 میں رینا رائے نے ہندی فلمی دنیا میں دوبارہ واپسی کی۔ فلم ''آدمی کھلونا ہے'' جو کہ 1993 میں منظر عام پر آئی۔ اس فلم میں انہوں نے بھابھی کا کردار ادا کیا تھا۔ ان کی گزشتہ آخری فلم ''رفیوجی'' تھی جسے جے پی دتا نے بنایا تھا اور سن 2000 میں یہ فلم ریلیز ہوئی تھی۔

رینا رائے نے ''اینا مینا ڈیکا'' ٹی وی سیریل میں بھی کام کیا ہے۔ انہوں نے جن فلموں میں کام کیا ان میں ضرورت، ملاپ اور جنگل میں منگل (1972)، نئی دنیا نئے لوگ اور جیسے کو تیسا (1973)، مدہوش اور گونج (1996) وردان، عمر قید، رانی اور لال پری، اپنے دشمن اور زخمی (1995)، سنگرام، گمراہ، بارود، ناگن، کالی چرن اور ادھار کا سندور (1976)، ضمانت، ٹیکسی ٹیکسی، ست سری آکال، پاپی، جاگرتی، ڈاکو اور مہاتما، اپنا پن، جادو ٹونا اور جے وجے (1977)، کرم یوگی، ڈاکو اور جوان، چور ہو تو ایسا، وشوناتھ، آخری ڈاکو، بدلتے رشتے اور بھوکا (1978)، مقابلہ، ہیرا موتی، گوتم گووندا (1979)، خنجر (1980)، یاری دشمنی، سودن ساس کے، گنگا اور سورج، کیش، آشا، بے رحم اور جوالا مکھی (1981)، ولایتی بابو، دشمن دوست، نصیب، لیڈیز ٹیلر، دھن وان، پیاسا ساون، جیل یاترا، جانی دشمن، راکی (1981) میں انتقام لوں گا۔ لکشمی، کچے ہیرے، جیو اور جینے دو، دو استاد، درد کا رشتہ،

بغاوت، ہتھکڑی، صنم تیری قسم، بدلے کی آگ، انسان، دھرم کانٹا، دیدار یار اور بے زباں (1982)، اندھا قانون، ارپن، پریم پتیا اور نوکر بیوی کا (1983) یادوں کی زنجیر، راج تلک، مانگ مانگے خون، آشا جیوتی، انتہا اور کرشمہ (1984) کالی بستی، غلامی، ایک چھٹی پیار بھری، اور ہم دونوں (1985) منگل دادا (1986) فقیر بادشاہ (1987) دھرم شترو اور دو وقت کی روٹی (1988) بے دردی اور آدمی کھلونا ہے (1993) پولس والا غنڈہ، جنم کنڈلی اور کل یگ کے اوتار (1995) اسمگلر، راج کمار اور اجے (1996) جیو شان سے (1997) غیر (1999) اور رفیو جی (2000) شامل ہیں۔

ریناراۓ کو فلم ''اپنا پن'' کے لئے معاون اداکارہ کا فلم فیئر ایوارڈ حاصل ہوا جب کہ وہ دوبار ''ناگن'' اور ''آشا'' فلموں کے لئے بہترین اداکارہ کے فلم فیئر ایوارڈ کے لئے نامزد کی گئیں۔

زیب رحمان

زیب رحمان ایک اہم فلم اداکارہ رہی ہیں۔ دس برسوں پر محیط ان کے فلمی کیریئر میں 12 فلمیں ریلیز ہوئیں جن میں انہوں نے کام کیا۔ 1964 میں فلم ''چتر لیکھا'' میں وہ پہلی بار فلمی پردے پر آئیں۔ آخری بار انھیں فلم ''چوکیدار'' میں دیکھا گیا۔ 1974 میں آئی یہ فلم کافی پسند کی گئی تھی۔

اپنے فلمی سفر کے دوران زیب رحمان نے ''چتر لیکھا(1964)، فریاد(1964)، غبن (1966)، آنکھیں(1968)، میرے حضور(1968)، جہاں پیار ملے(1969)، آگ اور داغ، انسپکٹر، جیون مرتیو (1970)، کشمکش، اور کچے دھاگے (1973) اور چوکیدار(1974) فلمیں شامل ہیں۔

ان کو ایک اچھی فلم اداکارہ کے طور پر جانا جاتا رہا ہے۔

زبیدہ بیگم

زبیدہ 1911 میں پیدا ہوئیں اپنی ماں فاطمہ بیگم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے بچپن ہی سے فلموں میں کام کرنا شروع کیا۔اور جلد ہی عوام کے دلوں میں جگہ قائم کرلی۔ بارہ سال کی عمر میں پہلی فلم کوہِ نور میں اہم رول ادا کیا۔ 1920 سے 1930 کے درمیان کئی خاموش فلموں میں اپنی والدہ فاطمہ بیگم اور بہنیں شہزادی اور سلطانہ کے ساتھ مل کر اپنی اداکاری کالوہا منوایا۔ اس دور کی بڑی فلم ویرابھی منیو میں جس میں فاطمہ بیگم کا اہم رول تھا۔ زبیدہ کی اداکاری نے اسے شہرت کی بلندیوں پر پہنچادیا۔

1925 میں زبیدہ کی ایک ساتھ نو فلمیں ریلیز ہوئیں۔ جس میں اہم نام ہیں ''کالا چور''، ''دیوداسی'' اور ''دیش کا دشمن''۔

1926 میں فاطمہ بیگم کے ڈائریکشن میں بنی فلم ''بلبل پرستان'' میں مرکزی کردار ادا کیا۔ 1927 زبیدہ کی زندگی کا اہم سال رہا ہے۔ جس میں ''لیلیٰ مجنوں''، ''نندن بھوجائی'' اور ''قربانی''، جیسی اہم فلمیں منظر عام پر آئیں۔ 1928 میں روبندر ناتھ ٹیگور کی کہانی پر بنی فلم ''بلیدان'' میں زبیدہ نے سلوچنا اور ماسٹر وٹھل کے ساتھ کام کیا۔ یہی وہ پہلی فلم ہے جسے بین الاقوامی شہرت حاصل ہوئی اور یورپی ممالک میں اس کی نمائش ہوئی اور خوب پذیرائی ہوئی۔

ہندوستانی فلم سازی کی تاریخ میں اہم موڑ اس وقت آیا جب پہلی بولتی فلم عالم آرام 1931 میں ریلیز ہوئی۔ اس فلم کی ہیروئن زبیدہ تھی۔ پہلی بولتی فلم کی ہیروئن ہونے کا تاج

بھی زبیدہ کے سر ہوا۔ زبیدہ کی لگاتار سپر ہٹ ہوتی فلمیں پہلے ''ویر ابھی منیو''، پھر ''عالم آرا'' اور اس کے بعد ''میری جان'' نے اچانک زبیدہ کو شہرت کے آسمان پر پہنچا دیا۔ اور وہ اپنے دور کی سب سے مہنگی ہیروئن ہو گئیں۔

1930 سے 1940 کے درمیان زبیدہ نے کئی اہم فلموں میں یادگار کردار ادا کیے جو آج بھی مثالی ہیں۔ جیسے 'سبھدرا'، 'اترا' اور 'دروپدی' کے کردار۔ زبیدہ وہ پہلی ہیروئن ہے جس نے ایزرا میر (Ezra Mir) کی فلم زرینہ میں بے باک رول ادا کرتے ہوئے ''بوسے'' کا سین دینے میں ذرا بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی۔ اور اس دور کے ''سنسر شپ'' کے لئے بحث کا ایک موضوع دے دیا۔ بعد کی مشہور فلموں میں مہالکشمی، گل وصنوبر، رسکِ لیلیٰ اور نردوش ابلہ، قابلِ ذکر ہیں۔ اسی سال کی عمر میں 1988 میں انتقال ہوا۔

زرین خان

زرین خان ایک ماڈل اور فلم اداکارہ کی حیثیت سے بہت کم مدت میں ہی اپنی جگہ بنانے میں کامیاب رہی ہیں۔ 14 مئی 1984 کو پیدا ہوئیں۔ زرین خان کی فلمی دنیا میں آمد 2010 میں ہوئی جب انہوں نے وجے گلانی کی فلم ''ویر'' میں سلمان خان کے ساتھ کام کیا۔ زرین خان ایک مسلمان پٹھان خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کی پیدائش ممبئی میں ہوئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ زرین خان کا ماڈلنگ میں آنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا اور اس کا سبب کالج کے زمانے میں ان کا موٹاپا تھا۔ زرین نے وزن گھٹانے کی ترکیبیں آزمانا شروع کیں اور جب وہ ایسا کرنے میں کامیاب رہیں تو انہوں نے ماڈلنگ کی جانب قدم بڑھا دیئے جہاں سے انھیں فلمی دنیا میں داخلہ مل سکا۔

کہا یہ بھی جاتا ہے کہ یوراج فلم کے سیٹ پر فلم اداکار سلمان خان نے زرین خان کو دیکھا اور انھیں اپنے دوست وجے گلانی کی فلم کے لئے سائن کروانے کا فیصلہ کیا۔ سلمان خان کہتے ہیں کہ وہ انھیں ایک شہزادی کی طرح دلکش معلوم ہوئیں اور چونکہ ''ویر'' میں شہزادی کا کردار ہی تھا اس لئے ان کو لینے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس کردار کو نبھانے کے لئے زرین کو کچھ اور وزن گھٹانا پڑا۔ یہ بات الگ ہے کہ یہ فلم بہت زیادہ کمائی نہ کرسکی۔

زرین خان کے فلمی کریئر میں ان کی حالیہ فلم ''ہاؤس فل۔۲'' کا نام بہت اہم ہے جس نے باکس آفس پر زبردست کمائی کی۔ اس فلم میں زرین نے ایک اہم کردار نبھایا ہے اور خبریں بھی ہیں کہ بہت جلد وہ ''پارٹنر۔۲'' نامی فلم میں بھی نظر آئیں گی۔

زرین خان کی شکل وصورت بالی ووڈ اداکارہ کیٹرینہ کیف سے بہت مشابہ ہے۔ زرین نے جن فلموں میں کام کیا ہے ان میں ویر (2010)، ریڈی (2011)، ہاؤس فل (2012) شامل ہیں۔

زیب النساء

زیب النساء فلمی اداکاری کے میدان میں ایک جانا پہچانا نام رہا۔ 1932 میں فلم ''بھرت روہاری'' سے زیب النساء کا فلمی کیریئر شروع ہوا۔ اسی سال آنے والی فلم ''گل بکاؤلی'' میں بھی وہ نظر آئیں۔ 1933 میں ان کی دو فلمیں ''روپ بسنت'' اور ''ملائی مادھو'' منظر عام پر آئیں۔ 1934 میں فلم ''دلارا'' منظر عام پر آئی۔ 1935 میں فلم ''بہار سلیمانی'' منظر عام پر آئی۔ 1940 میں فلم ''دھرم بندھن'' ریلیز ہوئی۔ 1947 میں ان کی فلم ''اعلان'' ریلیز ہوئی۔ 1958 میں فلم ''سونے کی چڑیا'' میں انہوں نے اداکاری کی۔ 1960 میں ان کی دو فلمیں ریلیز ہوئیں جن میں ''منزل'' اور ''چودھویں کا چاند'' شامل تھیں۔ 1963 میں فلم ''رستم بغداد'' میں انہوں نے اداکاری کی۔ 1967 میں فلم ''رام اور شیام'' میں وہ بہت پسند کی گئیں۔ 1970 میں فلم ''شرافت'' اور 1972 میں فلم ''پاکیزہ'' میں وہ بہت پسند کی گئیں۔
ان کا فلمی کیریئر صلاحیتوں سے پُر رہا اور ان کی کارکردگی ہمیشہ سراہی جاتی رہی۔

زیبا بختیار

زیبا بختیار پاکستانی فلم اداکارہ اور ہدایت کار ہیں لیکن کئی ہندی فلموں میں بھی انہوں نے یادگار رول ادا کیے ہیں جن کے لئے انھیں ہمیشہ سراہا جاتا رہا ہے۔ زیبا بختیار کی پیدائش 5 نومبر 1971 کو پاکستان کے کوئٹہ میں ہوئی تھی۔ زیبا کے والد یحییٰ بختیار پاکستان کے سابق اٹارنی جنرل اور جانے پہچانے بیوروکریٹ رہے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ پاکستان کے سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو مرحوم سے بھی یحییٰ بختیار کے اچھے مراسم تھے۔

زیبا بختیار کے دو بھائی ہیں جو کہ دونوں ہی ڈاکٹر ہیں اور امریکہ میں مقیم ہیں۔ زیبا کی بہن اقتصادی امور کی وکیل ہیں۔

زیبا بختیار نے اپنی ابتدائی تعلیم کوئٹہ کے ہی ایک کانوینٹ اسکول سے حاصل کی۔ بعد میں لاہور کے ایک کالج میں انہوں نے قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے داخلہ لیا۔ کہا جاتا ہے کہ خود زیبا بختیار نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ وہ ایک اداکارہ بنیں گی۔

پی ٹی وی کے ڈرامے انارکلی کے ذریعہ انہوں نے اداکاری کی باقاعدہ شروعات کی۔ فلمی دنیا میں ان کا قدم راج کپور بینر کی فلم ''حنا'' کے ذریعہ پڑا۔ اس فلم کے ہدایت کار رندھیر کپور تھے۔ اس فلم میں زیبا بختیار کا کام بے حد سراہا گیا۔

زیبا بختیار کو کئی دیگر فلموں سے بھی شہرت ملی جن میں محبت کی آرزو، اسٹنٹ مین اور جے وکرانتا شامل ہیں۔ زیبا نے گلوکار عدنان سامی سے شادی کی لیکن بعد میں یہ شادی علیحدگی پر ختم ہوئی۔ فی الحال زیبا بختیار کراچی میں اپنے بیٹے کے ساتھ مقیم ہیں۔

زیبا بختیار نے جن فلموں میں کام کیا ان میں حنا (1991)، دیش واسی (1991)، محبت کی آرزو (1994)، اسٹنٹ مین (1994)، جے وکرانتا (1995)، مقدمہ (1996)، چیف صاحب (1996)، قید (1996)، اور بابو (2001) شامل ہیں۔

زرینہ وہاب

زرینہ وہاب کا تعلق آندھرا پردیش سے ہے۔ ان کی پیدائش وشاکھاپٹنم میں ہوئی تھی۔ تین بہنوں اور ایک بھائی کی بہن زرینہ کا ہمیشہ سے بہت آگے جانے کا خواب تھا۔ زرینہ وہاب نے فلم اینڈ ٹیلی ویژن انسٹی ٹیوٹ آف انڈیا پونہ سے تعلیم مکمل کی۔ ممبئی کی فلمی دنیا میں قدم رکھنے کے بعد انھیں کام کی تلاش تھی۔ 1974 میں دیو آنند کو فلم ''عشق عشق عشق'' میں زینت امان کی بہن کا رول نبھانے والی کسی مناسب اداکارہ کی تلاش تھی۔ اس فلم میں کام کرنے کے ارادے سے زرینہ محبوب اسٹوڈیو میں اسکرین ٹیسٹ دینے گئیں اور منتخب کرلی گئیں۔

1976 میں باسو چٹرجی کی ہدایت کاری میں بنی فلم ''چت چور'' نے زرینہ کی زندگی ہی بدل دی۔ امول پالیکر کے ساتھ زرینہ نے اس فلم میں بطور ہیروئن کام کیا۔ فلم میں زرینہ نے ایک سادہ لوح دیہاتی لڑکی کا کردار ادا کیا جو ایک شہری لڑکے کے عشق میں گرفتار ہوگئی ہے۔ یہ فلم نہ صرف ہٹ ہوئی بلکہ اسے فلم ناقدین نے بہت سراہا۔

زرینہ نے ہندی کے علاوہ ملیالم، تیلگو اور تامل فلموں میں بھی کام کیا۔ ملیالم میں ان کی پہلی فلم ''مدنولسوم'' تھی جس میں ہیرو کے طور پر کمل ہاسن شامل تھے۔ زرینہ کو فلم ''گھروندہ'' میں ان کے کردار کے لئے فلم فیئر کے بہترین اداکارہ کے ایوارڈ کے لئے نامزد بھی کیا گیا۔

فلم ''مائی نیم از خان'' میں زرینہ وہاب نے شاہ رخ خان کے ساتھ ان کی والدہ کے طور پر کام کیا ہے۔ زرینہ نے فلموں کے ساتھ ساتھ چھوٹے پردے پر بھی اپنی موجودگی درج کرائی ہے۔

زرینہ وہاب کی شادی فلم اداکار ادتیہ پنچولی کے ساتھ ہوئی۔ حالانکہ ادتیہ عمر میں ان سے چھوٹے ہیں۔ زرینہ اور ادتیہ کے یہاں ایک بیٹی اور ایک بیٹا ہے۔ ان کی بیٹی ثنا فلموں میں قسمت آزما رہی ہیں۔

زرینہ وہاب نے جن فلموں میں کام کیا ان میں عشق عشق عشق (1974)، انوکھا (1975)، گجولا کشیتا (1975)، چت چور (1976)، گھروندا (1977)، نورا تتھنم (1977)، اگر......اِف (1977)، مدنوتسم (1978)، انپڑھ (1970)، گوپال کرشنا (1979)، جینا یہاں (1979)، سلام میم صاحب (1979)، ساون کو آنے دو (1979)، تیا (1979)، چمارن (1980)، ستارہ (1980)، آخری انصاف (1980)، ہمیما ہمیلو (1980)، جذبات (1980)، ایک اور ایک گیارہ (1981)، روحی (1981)، آخری مجرا (1981)، پلنگل (1981)، سارا ورتم (1982)، انتھینو یو کنایو کال (1982)، بیرسٹر (1982)، فٹ بال (1982)، میں نے جینا سیکھ لیا (1982)، شیو چرن (1982)، درد دل (1983)، چور پولس (1983)، لال چڑیا (1983)، ہنستے کھیلتے (1984)، مناسر یاتھے (1984)، ینارم چوتی چوتی (1985)، ہم نوجوان (1985)، امرت (1986)، ادھیکار (1986)، دہلیز (1986)، معشوقہ (1987)، میرا یار میرا دشمن (1987)، طوفان (1989)، میرا دامن (1995)، دل مانگے مور (2004)، رکسنا (2005)، جانے ہوگا کیا پرتیکشا (2006)، کیسے کہیں (2007)، کلنڈر (2009)، اگنی پتھ (2010)، مائی نیم از خان (2010)، رکت چرتر (2010)، رتھارتھا سریتی رام (2010)، ادانتے ماکن ابو مالک ایک (2010)، اگنی پتھ (2012) فلمیں شامل ہیں۔

زرینہ وہاب نے زارا، یہاں میں گھر گھر کھیلی اور رودھ جیسے ٹی وی پروگراموں میں بھی کام کیا۔ بہترین معاون اداکارہ کے طور پر ''مائی نیم از خان'' میں ان کے کام کے لئے انھیں دی گلوبل انڈین فلم اینڈ ٹی وی آرٹسٹ ایوارڈ دیا گیا۔

زہرہ

زہرہ ایک معروف فلم اداکارہ رہی ہیں۔ انہوں نے اپنے لمبے فلمی کیریئر میں تقریباً بیس فلموں میں اداکاری کی اوران کا کام خوب پسند کیا گیا۔ ان کی پہلی فلم آنگ سین تھی۔ یہ فلم 1931 میں منظر عام پر آئی۔ 1932 میں آئی فلم بھارت ماتا، اسی برس آنے والی فلم دغا باز عاشق، 1933 میں آنے والی فلم الف لیلہ، 1934 میں آئی فلم جوانی دیوانی، اسی سال آنے والی فلم شاہی لکڑھارا، 1935 کی فلم دہلی ایکسپریس، اسی سال آنے والی فلمیں فیشن ایبل انڈیا، مدن منجری، پریم پجاری، 1936 کی فلم مرد کا بچہ، 1940 کی فلم بھولی لٹیرن، 1941 کی فلم سپاہی، 1943 کی فلم راہ گیر اور 1948 کی فلم آج کا فرہاد ان کے فلمی کیریئر کی اہم فلمیں ہیں۔

اس فلم (آج کا فرہاد) کے بعد انہوں نے فلمی دنیا میں کچھ عرصے کے لئے دوری بنائی اور 40 سال کے لمبے عرصے بعد 1986 میں وہ پہنچے ہوئے لوگ فلم میں نظر آئیں۔

بطور اداکارہ زہرہ کی شناخت ایک قابل اداکارہ کی رہی۔

زہرہ سہگل

ہندوستانی سنیما کا ایک اہم نام ہے زہرہ سہگل۔ 27 اپریل 1912 میں رام پور (یوپی) کے انتہائی مذہبی زمیندار روہیلہ پٹھان خاندان میں پیدا ہوئیں۔ ان کا پورا نام صاحبزادی زہرہ بیگم ممتاز اللہ خاں ہے۔ ابتدائی تعلیم روایتی انداز سے شہزادیوں کی طرح ہوئی۔ بچپن ہی سے وہ کھیل کود اور سیر وتفریح میں بہت آگے رہیں۔ بارہ سال کی عمر تک وہ اپنے چچا جوان کا بہت لاڈ کرتے تھے کے ساتھ پورا ہندوستان، مغربی ایشیا اور یورپ کے بہت سے ممالک کا سفر کار سے پورا کیا۔ واپس لوٹنے پر انہیں برقعہ پہننا پڑا۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے کوئین میریز گرلز کالج لاہور بھیج دیا گیا جہاں اس وقت کے شرفاء کے بچے پڑھتے تھے۔ وہاں بھی پردے کی سخت پابندی تھی۔ کالج پاس کرتے ہی انہوں نے برقع کو ہمیشہ کے لئے اتار پھینکا، اور ادے شنکر ڈانس گروپ میں شامل ہو کر جاپان مغربی ایشیا، یوروپ اور امریکہ میں اسٹیج پروگرام کرتی رہیں۔ وہیں پر انہیں کچھ فلموں میں کام کرنے کا موقع ملا۔ وہیں پر ان کی ملاقات کامیشور ناتھ سہگل سے ہوئی۔ دونوں طرف محبت کی آگ دہک اٹھی۔ خاندان کے اعتراض کے باوجود اگست 1942 میں انہوں نے کورٹ میں شادی کر لی۔ ان کی شادی میں پنڈت جواہر لال نہرو شریک ہونے والے تھے لیکن گاندھی جی کی بھارت چھوڑو تحریک کی حمایت کرنے کی وجہ سے پنڈت جی کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا۔

زہرہ سہگل اپنے شوہر کے ساتھ پہلے الموڑا اور پھر لاہور میں ڈانس کالج چلاتی رہیں۔ بعد میں ممبئی آکر پرتھوی راج کپور کے تھیٹر سے منسلک ہوگئیں۔ اور ہندوستان کے

مختلف شہروں میں اسٹیج پر اپنی اداکاری کا جادو جگاتی رہیں۔ اپنے شوہر کے انتقال کے بعد وہ لندن چلی گئیں اور وہاں کی انگلش فلموں میں کام کرتی رہیں۔ بیس سال تک انگریزی فلموں میں کام کرنے کے بعد دوبارہ ہندوستان آکر ہندی فلموں میں شریک ہوگئیں۔ وہ آج کل دہلی میں اپنی بیٹی کے ساتھ رہتی ہیں۔ سو سال سے زیادہ کی عمر میں بھی وہ بہت فعال ہیں۔ اور فلموں میں بے انتہا دلچسپی رکھتی ہیں۔

زینت امان

19رنومبر 1951 میں پیدا ہوئیں۔ان کا اپنے زمانے کی حسین ترین لڑکیوں میں شمار ہوتا ہے۔1970 میں مس ایشیا پیسیفک کا ایوارڈ حاصل کیا۔ان کے والد امان اللہ خاں کہانی کار اور اسکرپٹ رائٹر تھے۔وہ مغل اعظم اور پاکیزہ جیسی مشہور فلموں کے اسکرپٹ رائٹرس کی ٹیم میں بھی شامل رہے۔زینت جب 13 سال کی تھیں تبھی ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ زینت کی ماں نے Mr. Heinz سے دوسری شادی کی اور وہ جرمنی چلی گئیں۔زینت کو وہاں سکون نہ ملا اور وہ لوٹ کر ممبئی آ گئی۔St Xevier's College سے گریجویشن کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کیلی فورنیا چلی گئیں۔وہاں انہوں نے پڑھائی کے ساتھ ساتھ جرنلسٹ کا کام بھی شروع کر دیا۔بعد میں Modeling کرنے لگی۔

1971 میں پہلے ''ہلچل'' اور پھر ''ہنگامہ'' فلموں میں کام کیا،لیکن زیادہ کامیابی نہ ملی۔ پھر 1972 میں دیو آنند نے اپنی فلم ''ہرے راما ہرے کرشنا'' کے لیے مین ہیروئن ممتاز کے ساتھ زاہدہ کو رکھا تھا،لیکن زاہدہ جو دیو آنند کے ساتھ پریم پجاری میں مرکزی کردار ادا کر چکی تھی،اس لیے وہ چاہتی تھی کہ اس فلم میں بھی اس کو Leading Roll ہی ملے،آخری وقت میں زاہدہ کو Drop کر کے زینت امان کو اس کردار کے لیے سائن کیا۔اس میں ایک نئے انداز کا گانا ''دم مارو دم'' زینت پر فلمایا گیا جو زبردست ہٹ ہوا۔اس فلم میں زینت کو فلم فیئر کا Best Supporting Actress کا ایوارڈ ملا۔اس کے بعد زینت اور دیو آنند کی جوڑی اگلی تقریباً آدھا درجن فلموں میں کامیابی کے ساتھ نظر آتی رہی جیسے ہیرا پنا،عشق عشق

عشق، پریم شاستر، وارنٹ، ڈارلنگ ڈارلنگ اور کلا باز۔ 1973 میں ''یادوں کی بارات'' فلم کا گیت ''چرالیا ہے تم نے جو دل کو'' نے زینت کی مقبولیت میں اضافہ کردیا۔ 1970 کی دہائی میں زینت امان کی تصویر ہر بڑی میگزین کے کورپیج کی زینت بنتی رہی۔

1978 میں راج کپور کی سپر ہٹ فلم ''ستیم شیوم سندرم'' گرما گرم بحث کا موضوع بنی اور زینت کو شہرت کی بلندی نصیب ہوئی۔ اسی سال ''فلم شالیمار'' ریلیز ہوئی، جس سے زینت امان کی ایک الگ امیج بن گئی۔ زینت امان اپنے رہن سہن، صورت شکل اور لب و لہجے کے اعتبار سے مغربی ملک کی خاتون لگتی تھیں، اس لیے ہندی فلموں میں ان کی خوب پذیرائی ہوئی۔ اس کے بعد ''دھرم ویر''، ''چھیلا بابو'' اور ''گریٹ گیمبلر'' کافی کامیاب رہیں۔ 1980 کی دہائی میں Multi-Starres فلموں کا دور شروع ہوا اور زینت امان بھی جنسی جذبات کو راغب کرنے والی ہیروئن کی امیج بن چکی تھی۔ اس لئے انہیں ایسے ہی رول ملنے لگے۔ ''انصاف کا ترازو'' میں ان پر فلمایا گیا Rap Seen کافی مقبول ہوا اور اس فلم کے لیے انہیں Best Actress کے لیے نامزد کیا گیا۔ اس کے بعد ''قربانی''، ''علی بابا اور 40 چور''، ''دوستانہ'' اور ''لاوارث'' فلمیں مشہور ہوئیں۔ مرکزی کردار کے ساتھ ان کی آخری فلم ''گواہی'' تھی جو 1989 میں ریلیز ہوئی۔

پھر کافی عرصے تک وہ ہندی فلموں سے دور رہیں۔ اس بیچ Hollywood کی کچھ فلموں میں کام کیا اور ٹیلی ویژن کے کچھ پروگراموں میں شریک رہیں۔ 2000 کے بعد وہ دوبارہ ہندی فلموں میں مختلف کردار ادا کرتے ہوئے دکھائی دیں۔

سارہ خان

سارہ خان ہندوستانی ماڈل اور اداکارہ ہیں۔ چھوٹے پردے کا تو وہ بڑا نام ہیں ہی ساتھ ہی اب وہ فلمی دنیا میں بھی قدم رکھ رہی ہیں۔ سارہ خان کی پیدائش بھوپال میں ہوئی تھی۔ وہ ایک مسلمان خاندان کی چشم و چراغ ہیں۔ 2007 میں سارہ کو مس مدھیہ پردیش کا خطاب ملا۔ سارہ نے 10 نومبر 2010 کو بگ باس ہاؤس میں علی مرچینٹ کے ساتھ شادی رچالی۔ یہ شادی ان کے علی مرچینٹ کے ساتھ تین سالہ عشق کے تتمہ کے طور پر تھی۔

پہلی مرتبہ سارہ خان ٹی وی پروگرام ''سپنا بابل کا......ودائی'' میں بطور سادھنا نظر آئیں۔ 2008 میں ٹی وی پروگرام کیا۔ ''آپ پانچویں پاس سے تیز ہیں'' میں بھی سارہ خان نظر آئیں۔ سارہ خان ٹی وی پروگرام بگ باس سے سرخیوں میں آئیں۔ علی مرچینٹ کے ساتھ ان کا نکاح ٹی وی پر دکھایا گیا، یہ نکاح بگ باس کے دوران ہی ہوا تھا جس پر کافی لے دے بھی ہوئی۔

2012 میں سارہ خان ونود چھابڑا یونائیٹڈ کے ذریعہ فلمی دنیا میں قدم رکھ رہی ہیں۔ سارہ خان 2007 سے اب تک متعدد ٹی وی پروگراموں میں نظر آچکی ہیں۔

سارہ خان کو ٹی وی سے متعلقہ کئی اعزازات حاصل ہوئے۔ جن میں 6 اسٹار پریوار ایوارڈ شامل ہیں۔ سارہ خان کو ان کے سیریل ''سپنا بابل کا......ودائی'' کے لئے خصوصی طور پر پسند کیا اور اس کے لئے انھیں آٹھ ایوارڈ ملے ہیں۔

سائرہ بانو

23 اگست 1944 میں پیدا ہوئی۔ سائرہ بانو کو رقص اور اداکاری وراثت میں ملی۔ نسیم بانو کی بیٹی اور شمشاد بیگم عرف چھمیا بائی کی نواسی ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے والد میاں احسان الحق فلم پروڈیوسر تھے۔ سائرہ بانو کا بچپن لندن میں گزرا ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی۔ اسکول کے زمانے میں ہی انہوں نے اداکاری کے جوہر دکھانے شروع کر دیے تھے۔ لندن سے لوٹنے کے بعد 17 سال کی عمر میں 1961 میں شمی کپور کے ساتھ پہلی فلم جنگلی میں کام کیا جس میں انہیں فلم فیئر ایوارڈ میں بہترین اداکارہ کے انعام کے لئے چنا گیا۔ اس فلم کا گانا ''یاہو، چاہے کوئی مجھے جنگلی کہے'' مقبول ترین گیتوں میں آج بھی شمار کیا جاتا ہے۔

1960 اور 1970 میں بہت سی کامیاب فلمیں دیں۔ انہیں اپنی تین بہترین فلموں کے لئے فلم فیئر ایوارڈ کے لئے منتخب کیا گیا۔ 1967 میں شاگرد، 1968 میں دیوانا اور 1974 میں سگینہ۔ ان کی زندگی میں اہم موڑ فلم ''پڑوسن'' کے بعد آیا۔ جو مزاحیہ فلموں میں آج بھی سرفہرست تسلیم کی جاتی ہے۔ اپنے عروج کے زمانے میں ان کی شادی یوسف خان صاحب یعنی دلیپ کمار سے ہوئی۔ دلیپ صاحب، سائرہ بانو سے عمر میں 22 سال بڑے ہیں۔ اس فلمی جوڑے کو نہایت عزت و احترام سے دیکھا جاتا ہے۔ 1976 کے بعد سائرہ بانو نے فلموں سے علاحدگی اختیار کر لی۔ لیکن 1984 میں دنیا اور 1988 میں فیصلہ میں اپنے شوہر دلیپ کمار صاحب کے ساتھ نظر آئیں۔ ان کی دیگر مشہور فلمیں ہیں۔ 1958 میں سازش، 1961 میں جنگلی، 1962 میں شادی، 1963 میں بلف ماسٹر، 1964 میں آئی

ملن کی بیلا، 1966 میں ساز اور آواز، یہ زندگی کتنی حسین ہے، اور پیار محبت، 1967 میں شاگرد، دیوانا اور امن، 1968 میں پڑوسن اور جھک گیا آسمان، 1969 میں آدمی اور انسان، 1970 میں گوپی، 1971 میں پورب پچھم، 1972 میں سازش اور وکٹوریہ نمبر 203، 1973 میں International Crook اور ریشم کی ڈوری، 1974 میں چیتالی، نہلے پہ دہلا، اور ضمیر، 1976 میں ہیرا پھیری، 1978 میں کالا آدمی، 1984 میں دنیا، 1988 میں فیصلہ۔

سردار اختر

سردار اختر اپنے زمانے کی ایک معروف فلم اداکارہ تھیں۔ انہوں نے تقریباً سو فلموں میں اپنی اداکاری کے جوہر دکھائے۔ جن فلموں میں سردار اختر نے کام کیا ان میں سے زیادہ تر مشہور ہوئیں اور ان میں سردار اختر کا کام خصوصیت سے پسند کیا گیا۔

سردار اختر کی پیدائش 1915 میں ہوئی تھی۔ وہ لاہور میں پلی بڑھیں۔ ممبئی میں قدم رکھنے کے بعد انہوں نے مدن تھیٹر کے ڈراموں میں کام کرنا شروع کیا۔

1933 میں فلم ''عید کا چاند'' سردار اختر کے فلمی کیریئر کی پہلی فلم تھی۔ اس فلم کے بعد انھیں کئی اور جگہ مواقع ملے۔ 1936 میں انہوں نے ''سنگدل سماج'' فلم میں کام کیا۔ اس فلم میں ان کے کام سے متاثر ہو کر انھیں کئی دیگر اسٹنٹ فلموں میں موقع ملا۔

1939 میں سہراب مودی کی فلم ''پکار'' میں انھیں کام ملا۔ اس فلم میں ان کی کارکردگی خوب پسند کی گئی۔ بھروسہ اور پوجا فلموں میں بھی سردار اختر نے کام کیا۔ ان کی اداکاری ناظرین کو متاثر کئے بغیر نہ رہ سکی۔

فلم ''علی بابا'' کے سیٹ پر سردار اختر کی ملاقات شہرۂ آفاق فلم ہدایت کار محبوب خان سے ہوئی۔ محبوب خان کی فلم ''عورت'' جس وقت بنی تو مرکزی کردار کے لئے سردار اختر منتخب ہوئیں۔ 1940 کی اس فلم میں سردار اختر نے رادھا کا کردار نبھایا۔

اسی زمانے میں محبوب خان سردار اختر کے عشق میں مبتلا ہو گئے اور دونوں نے شادی کا فیصلہ کیا۔ 1942 میں سردار اختر اور محبوب خان نے شادی کر لی۔

1943 میں فیشن اور ماسٹر جی فلموں کی تکمیل کے بعد سردار اختر نے فلمی دنیا سے کنارہ کرلیا۔

نئی روشنی، پھرملیں گے، الجھن، گھر سنسار، دنیا ایک تماشہ، راحت، جل ساگر، ہلچل، بندھے ہاتھ وغیرہ ان کی دیگر مشہور فلمیں ہیں۔

سردار اختر نے فلم سازی کے عمل میں اپنے شوہر محبوب خان کا تعاون کیا۔ محبوب خان کے انتقال کے بعد سردار اختر امریکہ جا بسیں۔ دو اکتوبر 1984 کو وہ اس دار فانی سے رخصت ہوئیں۔

سلمیٰ آغا

سلمیٰ آغا فلم اداکارہ کے ساتھ ساتھ گلوکارہ کے طور پر بھی اپنی ایک خاص پہچان رکھتی ہیں۔ 1980 کی دہائی اور 1990 کے دہے کے شروع تک سلمیٰ آغا ایک معروف اداکارہ کے طور پر ہندوستانی فلموں میں شامل رہیں۔ سلمیٰ آغا کی پہلی فلم بی آر چوپڑا کی فلم ''نکاح'' تھی۔ 1982 میں ''نکاح'' فلم کی ہی ایک غزل ''دل کے ارمان آنسوؤں میں بہہ گئے'' پر انھیں بہترین پلے بیک خاتون گلوکارہ کا فلم فیئر ایوارڈ بھی ملا۔

سلمیٰ آغا کی پیدائش 25 اکتوبر 1965 کو ہوئی تھی۔ سلمیٰ نے اپنی تعلیم لندن میں حاصل کی اس کے بعد وہ سوئزرلینڈ چلی گئیں جہاں ان کے والد لیاقت گل آغا کا پارسی قالینوں کا کاروبار تھا۔ سلمیٰ آغا کی فلموں میں مقبولیت کے حوالے سے فلم ''نکاح'' ایک سنگ میل تھی۔ نکاح فلم نے زبردست کامیابی حاصل کی۔ یہ فلم دراصل طلاق جیسے حساس موضوع پر بات کرتی ہے۔

نکاح فلم میں دیپک پراشر اور راج ببر نے اداکاری کی تھی۔ فلم اپنے موضوع کے سبب تو مشہور ہوئی ہی ساتھ ہی موسیقی کے حوالے سے یہ فلم بہت مقبول عام ہوئی۔ فلم کی غزلیں اور گیت بہت عرصہ گزر جانے کے باوجود آج بھی سنائی دیتے ہیں۔

نکاح میں سلمیٰ آغا کی اداکاری کو عام ناظرین کے ساتھ ساتھ فلم ناقدین نے بھی خوب سراہا۔

سونم (بختاور مراد خان)

بختاور مراد خان فلمی اداکارہ ہیں اور سونم کے لقب سے مشہور ہیں۔ ان کی پیدائش 2 ستمبر 1972 کو ہوئی تھی۔ ان کے والد مشیر خان ہیں۔ فلمی دنیا میں سونم کی شروعات لیش چوپڑا کی فلم ''وجے'' کے ساتھ ہوئی۔ یہ 1988 میں ریلیز ہوئی۔ شروعاتی دنوں میں انھیں سیکس سمبل کے طور پر فلمی چہرہ مانا جاتا رہا۔ ان کی شادی راجیو رائے کے ساتھ ہوئی۔

اپنے فلمی کیریئر کے دوران انہوں نے تیس فلموں میں کام کیا۔ 1994 تک فلمی دنیا میں رہنے کے بعد سونم نے ہندوستان چھوڑ دیا اور اپنے شوہر کے ساتھ جا کر سوئزرلینڈ میں بس گئیں۔ مئی 1992 میں ان کے یہاں ایک بیٹے کی پیدائش ہوئی۔

سونم نے جن فلموں میں کام کیا ان میں رشی کپور کے ساتھ آئی فلم وجے (1988)، جیکی شراف کے ساتھ آئی فلم آخری عدالت (1988)، گری (2004)، رنیڈو (2006) ناگرم مرو پکّم (2010) اور کلا کپّو فلمیں شامل ہیں۔ علاوہ ازیں انہوں نے کئی ٹی وی سیریلوں میں بھی کام کیا ہے۔

سوہا علی خان

نواب منصور علی خاں پٹودی اور شرمیلا ٹیگور کی صاحبزادی سوہا علی خان کی پیدائش 14 اکتوبر 1978 کو ہوئی تھی۔ سوہا علی خان نے جس گھرانے میں پرورش پائی اس میں ان کے والد نواب منصور علی خاں پٹودی جو کہ ہندوستانی کرکٹ ٹیم کے ممبر تھے اور والدہ شرمیلا ٹیگور تھیں۔ شرمیلا خود اپنے زمانے کی معروف فلم اداکارہ تھیں۔ سوہا علی خان کے بھائی سیف علی خان ہندی فلموں کے جانے پہچانے اسٹار ہیں۔ سوہا نے اپنی اسکولی تعلیم نئی دہلی کے برٹش اسکول سے حاصل کی۔ اور اس کے بعد مزید تعلیم کے لئے انہوں نے بیرون ملک کا سفر کیا۔ سوہا کے فلمی کیریئر کی شروعات 2004 میں آنے والی فلم ''دل مانگے مور'' سے ہوئی جس میں ان کے ساتھ شاہد کپور، عائشہ ٹاکیہ اور تلب جوشی نے کام کیا۔ بنگالی فلم ''انترمحل 2005'' اور ہندی فلم ''رنگ دے بسنتی'' (2006) کھویا کھویا چاند سے انہیں کافی مقبولیت ملی۔ 2009 میں فلم 99 میں ان کی شمولیت کامیاب تصور کی گئی۔ عمران ہاشمی کے ساتھ ان کی فلم ''تم ملے'' اگرچہ باکس آفس پر پٹ گئی لیکن ان کی اداکاری کو کافی سراہا گیا۔

سوہا خان نے جن فلموں میں کام کیا ان میں ''اتی شری کانتا'' اور ''دل مانگے مور'' (2004)، پیار میں ٹوسٹ، شادی نمبرون، انترمحل (2005)، رنگ دے بسنتی، آہستہ آہستہ (2006)، کھویا کھویا چاند اور چوراہیں (2007)، ممبئی میری جان، دل کبڈی (2008)، ڈھونڈتے رہ جاؤ گے، 99، تم ملے، مریڈین لائنس، لائف گوز آن (2009)، ممبئی کٹنگ، تیرا

کیا ہوگا جانی (2010)، ساؤنڈ ٹریک (2011)، ونڈس آف میسیج (2012) فلمیں شامل ہیں۔

سوہا علی خان کو کئی ایوارڈ ملے جن میں 2007 میں رنگ دے بسنتی کے لئے بہترین معاون اداکارہ کا آئفا ایوارڈ شامل تھا۔ رنگ دے بسنتی کے لئے ہی انھیں 2007 میں ہی دو اور ایوارڈ بھی ملے جب کہ اسی سال بہترین معاون اداکارہ کے طور پر انھیں فلم کے ایوارڈ کے لئے بھی نامزد کیا گیا۔

سومی علی

سومی علی جانی پہچانی فلم اداکارہ رہی ہیں۔ 25 مارچ 1976ء کو ان کی پیدائش ہوئی۔ عراقی ماں اور پاکستانی باپ کی صاحبزادی سومی کی دو بہنیں اور ایک چھوٹا بھائی ہے۔ جیسس اینڈ میری کانوینٹ اسکول کراچی میں انہوں نے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔

سومی علی نے ریڈیو پروگرام پیش کیے ساتھ ہی انہوں نے نفسیات کی تعلیم بھی حاصل کی۔ انہوں نے نیویارک فلم اکیڈمی سے فلم سازی میں گریجویشن کیا۔ سومی علی نے ممبئی کی فلمی دنیا کا رخ کیا تو انھیں کئی فلموں میں مواقع بھی ملے۔ ان کا نام فلم اداکار سلمان خان کے ساتھ بھی ان کے معاشقے کی خبریں آئیں۔

سومی علی نے جن فلموں میں کام کیا ان میں انت (1993)، کرشن اوتار (1993)، یار غدّار (1994)، تیرا کون (1994)، آؤ پیار کریں (1994)، آندولن (1995)، مافیا (1996)، چپ (1997) اور بلند شامل ہیں۔ بلند ابھی تک ریلیز نہیں ہوئی ہے۔

کم مدت کے اپنے فلمی کیریئر میں ہی سومی نے بطور اداکارہ اپنی اچھی شناخت قائم کی۔

شبنم

فلم اداکارہ شبنم کا فلمی کیریئر تقریباً 41 برسوں پر مشتمل ہے۔ 1965 میں انہوں نے فلمی دنیا میں قدم رکھا تھا۔ فلم ''فرار'' (1965) سے انہوں نے اپنا فلمی سفر شروع کیا۔ آخری بار وہ فلم ''فیملی'' (2006) میں نظر آئی تھیں۔

شبنم نے جن فلموں میں کام کیا ان میں : فرار (1965)، بیوی اور مکان (1966)، چاند کا پالنا (1967)، سہاگ رات (1968)، ساتھی (1968)، لہو پکارے گا (1968)، دو کلیاں (1968)، ساجن (1969)، ایک پھول دو مالی (1969)، بیٹی (1969)، انمول موتی (1969)، شرافت (1970)، پشپانجلی (1970)، پردیسی (1970)، چوروں کا چور (1970)، آنسو اور مسکان (1970)، کھلونہ (1970)، ماں اور ممتا (1970)، نیا زمانہ (1971)، میں سندر ہوں (1971)، لگان (1971)، بکھرا موتی (1971)، وفا (1972)، جانور اور انسان (1972)، قیمت (1973)، بے تاب (1983)، انوکھا موڑ (1985)، پھول اور کانٹے (1991)، نانی (1992)، دیوانہ (1992)، زخموں کا حساب (1993)، پھولن حسینہ رام کلی، آجا میری جان (1993)، بوائے فرینڈ (1993)، لوہا (1997)، موزہ (1998)، خونی علاقہ (1999)، من چلا (1999)، مرڈر (2004)، تم سا نہیں دیکھا (2004) اور فیملی (2006) شامل ہیں۔

شبانہ اعظمی

ہندی فلموں کی ایک عظیم شخصیت شبانہ اعظمی کی پیدائش 18 ستمبر 1950 میں ہوئی۔ مشہور اداکارہ شوکت اعظمی اور منفرد شاعر و دانشور کیفی اعظمی کی بیٹی شبانہ کے فلموں میں قدم رکھنے سے ہندی سنیما کے ایک نئے باب کا آغاز ہوا۔ انہوں نے بے شمار فلموں میں کام کیا اور ہر فلم میں ایک نیا انداز اختیار کیا۔ ان میں یہ صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہے کہ وہ ہر کردار کو اس کی اصلیت میں ڈھل کر زندہ و جاوید بنا دیتی ہیں۔ St. Xavier's College Mumbai سے گریجویشن کے بعد FTII پونے سے ایکٹنگ کا کورس کیا۔ وراثت میں فن و ادب کا ذوق تو ملا ہی تھا۔ پھر خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے فلمی دنیا میں بہت جلد بہت اونچا مقام حاصل کرلیا۔

ان کی پہلی فلم ''فاصلہ'' تھی، لیکن یہ فلم شیام بینگل کی فلم ''انکر'' کے بعد ریلیز ہوئی۔ انکر میں شبانہ کا بڑا عجیب رول تھا، جس کو انہوں نے نہایت خوش اسلوبی سے نباہا۔ یہ فلم زبردست ہٹ ہوئی اور شبانہ اعظمی کو اس فلم میں نیشنل ایوارڈ سے نوازا گیا۔ شبانہ اعظمی وہ واحد اداکارہ ہیں، جنہیں اپنی شروعاتی فلموں میں لگاتار تین سال (1983,84,85) میں نیشنل ایوارڈ ملا اور ہندی سنیما کی تاریخ میں سب سے زیادہ 6 نیشنل ایوارڈ بھی شبانہ ہی کو ملے۔ چار مرتبہ فلم فیئر ایوارڈ ساتھ ہی پدم شری اور گاندھی فاؤنڈیشن انٹرنیشنل پیس ایوارڈ کے علاوہ بے شمار قومی اور بین الاقوامی اعزازات سے نوازا گیا۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ نے بھی انہیں اعزازی ڈاکٹریٹ کی ڈگری عطا کی۔ شبانہ اعظمی نہ صرف ایک بہترین اداکارہ ہیں، بلکہ

ایک درد مند دل رکھنے والی سوشل ورکر اور مصلح قوم بھی ہیں۔ گندی بستیوں میں جا کر غریبوں اور مجبوروں کی خدمت کرنا ہو یا مہلک مرض AIDS کے خلاف جنگ کرنا ہو، وہ ہر محاذ پر کمربستہ نظر آتی ہیں۔

انہوں نے ابھی سو سے زیادہ فلموں میں کام کیا ہے اور ہر فلم اپنی جگہ بے مثل ہے۔ ان کی کئی مشہور ترین فلمیں ہیں:

ارتھ، اسپرش، انکر، منڈی، 15-Park Avenue، The Bengali Night، معصوم، پار، گاڈ مدر وغیرہ۔

شرمیلا ٹیگور (بیگم عائشہ سلطانہ)

شرمیلا ٹیگور معروف فلم اداکارہ ہیں۔ ہندوستانی کرکٹ ٹیم کے کھلاڑی منصور علی خان پٹودی سے شادی کے بعد شرمیلا ٹیگور نے اسلام قبول کرلیا۔ مسلمان ہونے کے بعد انہوں نے اپنا نام بیگم عائشہ سلطانہ رکھ لیا۔ شرمیلا ٹیگور ابھی بھی اپنے پرانے نام سے ہی زیادہ جانی جاتی ہیں۔

شرمیلا ٹیگور کی پیدائش 8 دسمبر 1946 کو حیدرآباد میں ہوئی تھی۔ ان کے والد گجیندر ا ناتھ ٹیگور الیگن ملس کے جنرل منیجر تھے۔ شرمیلا ٹیگور شہرۂ آفاق بنگالی ادیب شاعر اور پینٹر رابندر ناتھ ٹیگور کی پڑپوتی ہیں۔ وہ سینٹ جونس گرلس ہائر سکینڈری اسکول اور لوریٹو کانوینٹ آسنسول میں شروعاتی کلاسوں میں پڑھیں۔

1959 میں ستیہ جیت رے کی فلم ''اپور سنسار'' (بنگالی) سے اپنی اداکاری کا کریئر شروع کیا۔ انہوں نے ستیہ جیت رے کی کئی اور فلموں میں بھی کام کیا۔ 1964 میں فلم ''کشمیر کی کلی'' میں انہوں نے شمی کپور کے ساتھ کام کیا۔ یہ فلم شکتی سامنت نے بنائی تھی۔ بعد میں شکتی سامنت نے شرمیلا کو کئی اور فلموں میں موقع دیا۔ شمی کپور کے ساتھ ہی 1967 کی فلم ''این ایوینگ ان پیرس'' میں وہ کافی مشہور ہوئیں۔ اس فلم میں وہ بکنی میں نظر آئیں جس پر کافی لے دے بھی ہوئی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ شرمیلا کو اولین ہندی فلم اداکاراؤں میں گنا جاتا ہے جنھوں نے بکنی میں پردے پر موجودگی درج کرائی لیکن بعد میں جب شرمیلا فلم سنسر بورڈ کی سربراہ بنیں تو انہوں نے ہی فلموں میں بکنی کے بڑھتے چلن پر تشویش کا اظہار بھی کیا۔

1969 میں آرادھنا اور امر پریم (1972) میں راجیش کھنہ کے ساتھ ان کی جوڑی خوب ہٹ ہوئی۔ راجیش کھنہ اور شرمیلا ٹیگور کی جوڑی نے چھ باکس آفس ہٹ فلموں میں کام کیا۔ 1975 میں گلزار کی فلم ''موسم'' کے لئے انھیں بہترین اداکارہ کا نیشنل فلم ایوارڈ بھی دیا گیا۔

شرمیلا ٹیگور کے صاحبزادے سیف علی خان فلمی دنیا کا ایک معروف چہرہ ہیں۔ جب کہ ان کی دو صاحبزادیاں سوہا علی خان اور صبا علی خان ہیں۔ سوہا علی خان خود ایک ادکارہ ہیں۔ شرمیلا کے شوہر نواب منصور علی خان پٹودی 70 برس کی عمر میں 22 ستمبر 2011ء کو انتقال کر گئے۔

شرمیلا نے جن فلموں میں کام کیا ان میں سے آرادھنا کے لئے انھیں فلم فیئر ایوارڈ، 1997 میں فلم فیئر کا لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ اور 2011 کا آئیفا ایوارڈ حاصل ہوا۔ اس کے علاوہ کئی دیگر ایوارڈ بھی انھیں ملے۔ علاوہ ازیں انھیں کئی اعلیٰ فلم ایوارڈوں کے لئے متعدد بار نامزد بھی کیا گیا۔

ان کی خاص فلموں میں کشمیر کی کلی (1964)، وقت (1965)، انوپما، دیوار، نائک اور یہ رات پھر نہ آئے گی (1966)، این ایوننگ ان پیرس اور آمنے سامنے (1967)، یقین، ستیہ کام اور آردھنا (1969)، مسافر (1970)، داستان اور امر پریم (1972)، داغ اور آ گلے لگ جا (1973)، موسم، چپکے چپکے اور فرار (1975)، امانش (1977)، مان (1999)، دھڑکن (2000)، شبھ مہورت (2003)، وردھ (2005)، فل اینڈ فائنل (2007)، اور بریک کے بعد (2010) شامل ہیں۔

شریفہ

شریفہ اپنے زمانے کی مشہور فلمی اداکارہ تھیں۔ ان کا فلمی کیریئر تقریباً دس برس کے عرصے پر محیط تھا لیکن اس کم عرصے میں ہی انہوں نے خوب شہرت کمائی۔

شریفہ نے فلمی دنیا میں قدم 1931 میں رکھا۔ ''شیریں فرہاد'' نامی اس فلم میں شریفہ کی اداکاری خوب پسند کی گئی۔ اس کے بعد ان کی تین اور فلمیں اسی سال آئیں جن میں شکنتلا، ستیہ وادی راجہ ہریش چندر اور بھارتی بالک فلمیں شامل ہیں۔ اس سے اگلے برس ان کی فلم ''بلوا منگل'' (1932) منظر عام پر آئی۔ 1933 میں ''حسن کا غلام'' فلم میں انہوں نے کام کیا اور مقبول ہوئیں۔ 1935 میں نور یمن، دی پرنسیز اینڈ دی ہنٹر اور دلیش دیپک فلموں میں انہوں نے کام کیا۔

1937 میں ان کی اکلوتی فلم ''خان بہادر'' منظر عام پر آئی۔ 1938 میں پرانی فلم ''مدر انڈیا'' بہت مشہور ہوئی۔ اس فلم میں بھی شریفہ نے اداکاری کی تھی۔ اسی سال ان کی ایک اور فلم ''جیلر'' ریلیز ہوئی۔

شریفہ کی آخری فلم ''تیری خواہش'' تھی جو 1941 میں منظر عام پر آئی۔ دس برس کے عرصے میں آنے والی ان کی ان تمام فلموں نے ثابت کیا کہ ان میں اداکاری کا جوہر موجود تھا اور ان کی صلاحیتیں غیر معمولی تھیں۔

شکیلہ بانو بھوپالی

شکیلہ بانو بھوپالی کی اصل شناخت بطور قوال رہی لیکن وہ ہندی فلموں میں بھی دکھائی دیتی رہی ہیں، ہر چند کہ ان فلموں میں بھی انہوں نے زیادہ تر قوال کا کردار ہی ادا کیا۔ 1960 کی دہائی سے 1990 کی دہائی کے درمیان وہ درجن بھر سے زائد فلموں میں نظر آئیں۔ اپنے دور عروج میں انکی مقبولیت آسمان کی بلندیوں پر تھی۔

شکیلہ بانو بھوپالی جن فلموں میں بطور اداکارہ آئیں ان میں جان وفا (1990) شردھا نجلی (1981)، ہمراہی (1974)، دستک (1970)، غنڈہ (1969)، رستم کون (1966)، ٹارزن اور جادوئی چراغ (1966)، راکا (1965)، بادشاہ (1964)، شمشان (1964)، آج اور کل (1963)، اور رستم بغداد (1963) شامل ہیں۔

شوکت کیفی

شوکت کیفی مشہور شاعر اور سماجی کارکن کیفی اعظمی کی بیگم ہیں۔ وہ خود بھی تمام عمر سماجی اور فلاحی کاموں میں مصروف رہیں۔ ساتھ ہی اسٹیج اور تھیٹر سے بھی جڑی رہیں۔ اور اپنے شوہر کے قدم سے قدم ملا کر زندگی کے تمام مراحل میں برسرِ پیکار رہیں۔ نوعمری میں ہی ڈراموں اور تھیٹر میں دلچسپی ہونے کے باعث وہ انڈین پیپلس تھیٹر ایسوسی ایشن کے ساتھ جڑ گئیں اور اپنی اداکاری سے تھیٹر کے ناظرین کو متاثر کرتی رہی ہیں اور بہت جلد اسٹیج کی ایک کامیاب اداکارہ مانی گئیں۔ اگر چہ انہوں نے فلموں میں بہت زیادہ دلچسپی نہیں دکھائی تاہم کئی ہندی فلموں میں انہوں نے یادگار رول ادا کیے۔ وہ ایک اچھی قلم کار بھی ہیں۔ انہوں نے اپنی سوانح ''کیفی اور میں'' کے نام سے قلمبند کی جو کافی مقبول ہوئی۔ 1950 میں انہوں نے شبانہ اعظمی اور بابا اعظمی کو جنم دیا جو ہندی فلموں کے تابندہ ستارے ثابت ہوئے، جہاں شبانہ اعظمی نے اداکاری میں نام کمایا وہیں بابا اعظمی نے کیمرہ مین کے طور پر اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھائے۔ شوکت اعظمی کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا کی باضابطہ ممبر بھی رہیں اور ان کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ بھی لیتی رہیں۔ شوکت اعظمی نے فلموں میں اپنے شوہر کیفی اعظمی کی لکھی فلم ''حقیقت'' 1964 سے آغاز کیا۔ یہ فلم ہندوچین کی جنگ پر مبنی تھی جس میں شوکت اعظمی نے ایک مختصر مگر یادگار رول ادا کیا۔ اس کے بعد 1970 میں آئی ''ہیر رانجھا'' یہ فلم بھی کیفی اعظمی کی لکھی ہوئی تھی جو ہندوستان کی واحد منظوم فلم تھی۔ اس کے علاوہ 1974 میں ''وہ میں نہیں، جرم اور سزا، فاصلہ''، 1977 میں ''دھوپ چھاؤں''، 1981

میں ''امراؤ جان''، 1982 میں ''بازار''، 1984 میں ''لوڑی''، 1988 میں ''سلام بومبے''، اور 2002 میں ''ساتھیا'' وغیرہ فلموں میں اہم کردار ادا کئے جو ناظرین کو متاثر کئے بغیر نہ رہ سکے۔ ہندی کے علاوہ انہوں نے کچھ انگریزی فلموں میں بھی کام کیا۔

شیاما

اپنے دور کی مشہور اداکارہ شیامیا کا اصلی نام خورشید اختر تھا۔ 7 جون 1935 میں لاہور میں پیدا ہوئیں۔ گرودت نے انہیں ''شیاما'' نام دے کر اپنی فلم ''آر پار'' میں رول دیا۔ پھر اس کے بعد ''برسات کی رات'' اور ''ترانہ'' میں بہترین اداکاری کر کے شیاما نے اپنا سکہ جمالیا۔ 1950 اور 1960 کی دہائی کی اہم اداکارہ رہیں ہیں۔ انہوں نے تقریباً 200 فلموں میں کام کیا۔ 1957 میں فلم ''شاردہ'' کے لئے انہیں فلم فیئر ایوارڈ سے نوازا گیا۔ ان کی کچھ فلمیں اس طرح ہیں۔

1945 میں کاروانِ حیات، 1949 میں شاعر، شبنم، روپ لیکھا، پتنگا اور ناچ، 1950 میں نشانہ، نیلی، جان پہچان اور ڈولتی نیا، 1951 میں ترانہ اور سزا، 1952 میں شریمتی جی اور آسمان، 1953 میں ٹھوکر، سہاگ سیندور، شیاما، دلِ ناداں، اور چار چاند، 1954 میں شرط، ساودھان، پلپلی صاحب، پینشنر (Pensioner)، مجبور، لاڈلا، دھوپ چھاؤں، دروازہ اور آر پار، 1955 میں مسافر خانہ، خاندان، اور بھگوت مہیما، 1956 میں مکھی چوس، چھومنتر، اور بھائی بھائی، 1957 میں سورن سُندری، شاردا، مرزا صاحبان، مائی باپ، جانی واکر، ہل اسٹیشن، بھابی اور باندی، 1958 میں تقدیر، پنچایت، لالہ رخ اور چاند، 1959 میں چھوٹی بہن، 1960 میں دنیا جھکتی ہے، اپنا گھر اور برسات کی رات اور 1961 میں آگ، 1963 میں گھر بسا کے دیکھو، اور بہورانی، 1964 میں جی چاہتا ہے، 1965 میں جانور، 1966 میں دل دیا درد لیا، 1967 میں ملن اور آگ، 1969 میں بیٹی، 1970 میں مستانہ اور ساون

بھادو، 1971 میں کنگن، 1972 میں زندگی زندگی، شادی کے بعد اور گومتی کے کنارے، 1973 میں سورج اور چندہ، پربھات اور ہنی مون، 1974 میں نیا دن نئی رات اور اجنبی، 1975 میں سیوک اور کھیل کھیل میں، 1977 میں کھیل کھلاڑی کا، 1980 میں پائل کی جھنکار۔

عائشہ ٹاکیہ

عائشہ ٹاکیہ کی پیدائش 10 اپریل 1986 کو ہوئی۔ عائشہ ٹاکیہ کو بالی ووڈ فلموں کی ایک کامیاب اداکارہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ٹاکیہ کے فلمی کیریئر کا آغاز ''ٹارزن دی ونڈر کار'' سے شروع ہوا جس کے لئے انھیں 2004 فلم فیئر میں بطور بہترین اداکارہ ایوارڈ سے نوازا گیا۔ ان کی فلم ڈور (2006) کافی مقبول ہوئی جس میں انہوں نے ایک نوجوان بیوہ کا کردار خوبصورتی سے نبھایا ہے۔

عائشہ ٹاکیہ نے اپنے کیریر کا آغاز شاہد کپور کے ساتھ ''آئی ایم اَ کمپلان گرل'' سے کیا۔ عائشہ جب پندرہ سال کی تھی اس وقت انہوں نے پھالگنی کا نغمہ ''میری چنری اڑ جائے'' میں کام کیا۔ فلمی دنیا کی کشش نے 16 سال کی عمر میں ہی ٹاکیہ کو اپنی جانب کھینچ لیا اور اس وقت سے اب تک مستقل اس میں کامیاب اداکارہ کا رول خوبصورتی سے نبھا رہی ہیں۔ ''سوچا نہ تھا'' (2004)، ٹارزن دی ونڈر کار (2004)، دل مانگے مور (2004)، شادی نمبر ون (2005)، سپر (2005)، ہوم ڈلیوری (2005)، شادی سے پہلے (2006)، ڈور (2006)، یوں ہوتا تو کیا ہوتا (2006)، سلام عشق (2007)، کیا لو اسٹوری ہے (2007)، فل اینڈ فائنل (2007)، کیش (2007)، بلڈ بردرس (2007)، نو اسموکنگ (2007)، سنڈے (2008)، دے تالی (2008)، وانٹیڈ (2009)، پاٹھ شالہ (2010)، موڑ (2011)، آپ کے لئے ہم، جیسی فلموں میں اپنی اداکاری کا سکہ جمانے میں کامیاب رہیں۔

عائشہ ٹاکیہ کو کئی اعزازات سے بھی نوازا گیا جن میں آئفا ایوارڈ 2005، سب سے فیورِیٹ 2005، اسکرین ایوارڈ 2007، زی سینما ایوارڈ 2007، اسٹار ڈسٹ ایوارڈ 2007، ایسوسی ایشن ایوارڈ 2007 شامل ہیں۔

عائشہ ٹاکیہ نے تیلگو فلموں کے لئے بھی کام کیا ہے جن میں بطورِ خاص 'سپر' شامل ہے جس میں انہوں نے اکی نینی ناگ ارجن کے ساتھ کام کیا ہے۔

عائشہ کا نکاح ابو عاصم اعظمی کے صاحبزادے فرحان اعظمی سے ایک مارچ 2009 کو ہوا۔

عذرا

عذرا 1950 اور 1960 کی دہائی کی معروف فلم اداکارہ تھیں۔ انہوں نے فلمی دنیا میں اپنا پہلا قدم فلم ''مدرانڈیا'' کے ساتھ رکھا۔ 1957 میں آئی یہ فلم مقبول ترین ہندی فلموں میں سے ایک تھی جو آسکر ایوارڈ کے لئے بھی نامزد کی گئی تھی۔

1959 میں فلم ''گھر گھر کی بات'' ان کی ایک اور اہم فلم تھی۔ 1960 میں آئی فلم ''لو ان شملہ'' میں انہوں نے شیلا کا کردار ادا کیا تھا۔ اسی سال آئی فلم بابر بھی کافی مشہور ہوئی، اس میں ان کا کام بہت پسند کیا گیا۔ 1961 میں آئی فلم ''گنگا'' میں ان کا کام سراہا گیا۔ اس فلم میں انہوں نے کملا کا کردار ادا کیا تھا۔ اسی سال فلم ''جنگلی'' میں انہوں نے شہزادی کا کردار نبھایا تھا۔ 1964 میں فلم ''گنگا کی لہریں'' میں انہوں نے راگنی کا کردار نبھایا۔ 1969 میں آئی فلم ''محل''، اسی سال آئی فلم ''راجہ صاحب'' اور ''واپس'' اور 1970 کی فلم ''مائی لو'' ان کی اہم فلمیں تھیں۔

فاطمہ بیگم

فاطمہ بیگم 1892 میں پیدا ہوئیں، وہ ہندی فلم اداکاراؤں کے تذکرے کے باب میں سب سے اہم نام تصور کی جاتی ہیں۔ بچپن ہی سے خاموش فلموں میں کام کرنا شروع کیا۔اور جلد ہی عوام میں مقبول ہوگئیں۔ بے پناہ صلاحیتوں کی مالک تھیں۔ایک اعلیٰ پائے کی اداکارہ ہونے کے ساتھ ساتھ اچھی گلوکارہ بھی تھیں۔ایک معیاری قلم کار بھی تھیں۔ فاطمہ بیگم کو پہلی خاتون فلم ڈائریکٹر اور پروڈیوسر ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ پہلے تو وہ کوہ نور اسٹوڈیو اور ایمپریل اسٹوڈیو میں تنخواہ پر کام کرتی رہیں۔بعد میں انہوں نے خود اپنی فلم کمپنی قائم کی جو فاطمہ فلمس کے نام سے مشہور ہوئی پھر اس کا نام وکٹوریہ فاطمہ فلمس بن گیا۔جس کے تحت کئی مقبول فلمیں منظر عام تک آئیں۔ان کی ڈائریکٹ کردہ پہلی فلم بلبل پرستان 1926 میں ریلیز ہوئی جو اس دور کی سپر ہٹ فلم مانی جاتی ہے۔ان کی مشہور فلموں میں ویرابھی منیو 1922، بلبل پرستان 1926 اور دنیا کیا ہے 1938 عوام کی توجہ کا مرکز رہی ہیں۔

فاطمہ بیگم کا ایک بڑا کارنامہ یہ رہا کہ انہوں نے ہندوستانی فلموں کو اپنی تین بیٹیوں کے روپ میں تین عظیم اداکارائیں عطا کیں۔جن کے نام ہیں زبیدہ بیگم، شہزادی بیگم اور سلطانہ بیگم جو اپنے دور کی خاموش فلموں کے سپر اسٹار رہی ہیں۔فاطمہ بیگم تمام عمر فلم اور فن کی خدمت کرتی رہیں۔ 1983 میں 91 سال کی عمر میں وفات پائی۔ ہندوستانی سنیما ان کی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کر سکے گا۔

فرح خان

فرح خان ہندی سنیما میں ایک ہدایت کار کے طور پر تو جانی پہچانی ہیں ہی، ساتھ ہی وہ فلمی پردے پر بھی نظر آتی رہی ہیں۔ فلم ''شیریں فرہاد کی تو نکل پڑی'' میں انہوں نے بومن ایرانی کے ساتھ مرکزی کردار نبھایا ہے۔

فرح خان کی پیدائش 9 جنوری 1965 کو ہوئی تھی۔ فرح کے والد کامران اسٹنٹ فلموں کے جانے پہچانے ہدایت کار تھے۔ ان کی والدہ مینا پارسی عقائد پر پابند ہیں۔ فرح کے بھائی ساجد خان بھی ہدایت کاری اور اداکاری میں اپنی شناخت رکھتے ہیں۔ فرح کی پہچان کوریوگرافر کے طور پر بھی ہے۔ انہوں نے اسّی ہندی فلموں کی سو سے زیادہ گیتوں کی کوریوگرافی کی ہے۔ فرح نے سریش کندر سے 2004 کے موسم سرما میں شادی کرلی۔ ان کے شوہران کی فلم ''میں ہوں نا'' کے ایڈیٹر بھی تھے۔ ''جانِ من''، ''اوم شانتی اوم'' اور ''تیس مار خان'' میں بھی اس جوڑے نے ساتھ کام کیا ہے۔ 11 فروری 2008 کو فرح نے تین بچوں کو جنم دیا جن میں ایک بیٹا اور دو بیٹیاں شامل ہیں۔

فرح خان نے بہترین اداکاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے فلم ''شیریں فرہاد کی تو نکل پڑی'' میں ثابت کردیا ہے کہ ان کی رگوں میں اداکاری کا خون دوڑتا ہے۔

فرح نے ممبئی کے زیویرس کالج میں سماجیات کی پڑھائی کی ہے۔ ان کی اصل شہرت کوریوگرافی کے سبب شروع ہوئی۔ انہوں نے بہترین کوریوگرافی کے فلم فیئر ایوارڈ پانچ مرتبہ جیتا ہے۔ فلم ''میں ہوں نا'' ان کی ہدایت پر تیار ہونے والی پہلی فلم تھی۔ فلم نے نہ

صرف یہ کہ خوب کمائی کی بلکہ انھیں اس فلم کے لئے ہی بہترین ہدایت کار کے فلم فیئر ایوارڈ کے لئے نامزد بھی کیا گیا۔ فلم ''اوم شانتی اوم'' بطور ہدایت کاران کی دوسری فلم تھی جس نے خوب نام کمایا۔ اس کے بعد ان کی فلم تیس مار خان منظر عام پر آئی۔ ہر چند کہ اول الذکر دونوں فلموں کی طرح کمائی کرنے میں یہ فلم اتنی کامیاب نہ ہوسکی مگر یہ ہٹ ضرور ہوئی۔

2012 اس لئے اہم ہے کہ فرح پہلی بار کسی فلم میں مرکزی کردار نبھا رہی ہیں۔ لیلا بھنسالی کی اسی فلم ''شیریں فرہاد کی تو نکل پڑی'' سے فلم ناقدین کو کافی امیدیں ہیں۔

فرح کو فلم فیئر کے علاوہ کوریوگرافی کا نیشنل فلم ایوارڈ اور پانچ آئیفا ایوارڈ مل چکے ہیں۔ انھیں چار اسٹار اسکرین ایوارڈ اور دو زی سنے ایوارڈ بھی حاصل ہوئے ہیں۔

فرح خان کئی فلموں میں نظر آچکی ہیں جن میں ''جلوہ (1987)، کچھ کچھ ہوتا ہے (1998)، کل ہو نہ ہو (2003)، میں ہوں نا (2004)، اوم شانتی اوم (2007)، جانے کہاں سے آئی ہے (2010)، کھچڑی (2010)، اور شیریں فرہاد کی تو نکل پڑی (2012)'' شامل ہیں۔

فرح ناز

فرح ناز 1980 اور 90 کی دہائی کی ایک معروف فلم اداکارہ ہیں۔ان کی پیدائش 9 دسمبر 1968 کو ہوئی۔فرح ناز کی ممتاز ترین فلموں میں ''ہمارا خاندان'' (1987)، ''نقاب'' (1989)، ''یتیم'' (1989) اور ''باپ نمبری بیٹا دس نمبری'' (1990) شامل ہیں۔1990ء میں 22 سال کی عمر میں جس وقت کہ ان کی اداکاری کا کیریئر بام عروج پر تھا انہوں نے اداکاری سے کنارہ کرلیا۔انہوں نے ہندی فلموں کے تقریباً تمام بڑے اداکارں کے ساتھ کام کیا، جن میں راجیش کھنہ، رشی کپور، سنجے دت، سنی دیول، انل کپور، جیکی شراف، متھن چکرورتی، گووندا اور عامر خان شامل ہیں۔

فرح ناز کی پیدائش حیدرآباد میں ہوئی تھی۔فرح معروف فلم اداکارہ تبو کی بڑی بہن ہیں۔1985ء میں یش چوپڑا کی فلم ''فاصلے'' سے فرح نے اپنے فلمی کیریئر کی باقاعدہ شروعات کی۔اس فلم کے بعد فرح کو بہت ساری فلموں میں کام کرنے کا آفر ملا جن میں کے سی بوکاڈیہ کی ''نصیب اپنا اپنا'' اور پران لعل مہتہ کی ''لو 86'' شامل ہیں۔فرح ناز کئی کامیاب فلموں کا حصہ رہی ہیں جن میں ''نصیب اپنا اپنا، ایماندار، دل جلا، گھر گھر کی کہانی، رکھوالا، ہمارا خاندان، وہ پھر آئے گی، ویرو دادا، باپ ایک نمبری اور بیٹا دس نمبری، اور مقابلہ'' شامل ہیں۔

1990 کے دہے میں انہوں نے عامر خان کے ساتھ دو فلموں میں کام کیا ''جوانی زندہ باد'' اور ''اسی کا نام زندگی''، مگر دونوں ہی باکس آفس پر پٹ گئیں۔فرح نے ''خدا گواہ'' کے

لئے سائن کیا اور کچھ مناظر کی شوٹنگ بھی ہوئی مگر بعد میں فلم کے بننے میں تاخیر کے سبب ان کی جگہ شلپا شروڈکر آ گئی۔ اسی زمانے میں فرح نے فلم اداکار دارا سنگھ کے بیٹے وندو دارا سنگھ سے شادی کر لی۔

شادی کے بعد فرح نے فلموں میں معاون اداکارہ کے طور پر کام کرنا شروع کر دیا۔ اس کے بعد ان کا رخ ٹی وی پروگراموں کی طرف ہوا اور ''امر پریم، انداز، آہا، ولایتی بابو اور پاپا'' جیسے ٹی وی سیریلوں میں کام کیا۔ 2004 میں فلم ''ہلچل'' کے ساتھ فرح کی ایک بار پھر فلموں میں واپسی ہوئی۔

فرح ناز کی وندو دارا سنگھ سے شادی کے بعد ان کے ایک بیٹا فتح رندھاوا پیدا ہوا، بعد میں فرح کی وندو سے طلاق ہو گئی۔

فرح کی فلموں میں شکھر (2005)، ہلچل (2004)، بھارت بھاگیہ ودھاتا (2002)، بھائی نمبر 1 (2000)، اچانک (1998)، لہو کے دو رنگ (1997)، حکم نامہ (1996)، رب دیاں رکھاں (1996)، ماہر (1996)، نمک (1996)، سوتیلا بھائی (1996)، ہائی جیک (ملیالم) (1995)، سرحد (1995)، طاقت (1995)، فوجی (1995)، جنم سے پہلے، چوراہا، انصاف اپنے لہو سے، (1994) عزت کی روٹی، دھرتی پتر، مقابلہ جیون کی شطرنج، خاندان، زخموں کا حساب (1993)، اسی کا نام زندگی، نصیب والا (1992)، پاپ کی آندھی، بے گناہ، بلی دان، (1991) پتی پتنی اور طوائف، باپ نمبری بیٹا دس نمبری، ہار جیت، جوانی زندہ باد، جینے دو، کارنامہ، خطرناک، ویرو دادا (1990)، وونساری یوراتم، رکھوالا، دو قیدی، امار تومی، کالا بازار، مجبور، میری زبان، نقاب (1989)، پاپ کو جلا کر راکھ کردوں گا، حلال کی کمائی، گھر گھر کی کہانی، محبت کے دشمن، ہمارا خاندان، مہا کالی، وہ پھر آئے گی، یتیم (1988)، دل جلا، ایماندار، 7 سال بعد، مرتے دم تک (1987) لو 86، نصیب اپنا اپنا، پلے خان (1986)، اور فاصلے (1985 شامل ہیں۔

فریدہ جلال (فریدہ تبریز)

فریدہ تبریز عرف جلال کی پیدائش 14 مارچ 1949 کو ہوئی۔ یہ ایک کامیاب ہندوستانی اداکارہ کے طور پر پہچانی جاتی ہیں۔ فریدہ جلال کا آبائی وطن دہلی ہے۔ انہوں نے اپنے کیریئر کا آغاز سن 1960 کی دہائی میں اس وقت کیا جب یونائیٹڈ فلم پروڈیوسرس ٹیلنٹ ہنٹ جس کا اہتمام فلم فیئر نے کیا تھا میں منتخب ہوکر آئیں۔ انہوں نے زیادہ تر بہن کا کردار ادا کیا یا پھر مفلس اور ٹھکرائی ہوئی عورت کا کردار نبھایا۔ ان کی معروف فلموں میں ایک ''بابی'' میں انہوں نے ایک ذہنی طور پر معذور اور رشی کپور کی ٹھکرائی ہوئی محبوبہ کا کردار نبھایا۔ 1980 میں ان کا رول بہن اور محبوبہ سے بڑھ کر ماں، چاچی، پھوپھی اور نانی کے کرداروں میں ڈھلتا چلا گیا۔ آرادھنا فلم میں بھی ان کا کردار بہت یادگار رہا جس میں انہوں نے راجیش کھنہ کی محبوبہ کا رول ادا کیا۔ انھیں پہ وہ مشہور گانا ''باغوں میں بہار ہے کلیوں پہ نکھار ہے'' فلمایا گیا۔

وہ چالیس سال سے زیادہ عرصے سے فلموں میں کام کررہی ہیں۔ 1983 سے 1990 کے درمیان وہ فلموں سے باہر رہی۔ اس عرصے میں وہ بنگلور میں قیام پذیر رہیں۔ 90 کی دہائی میں انہوں نے بہت سی کامیاب فلموں میں اپنی سنجیدہ اداکاری کے جوہر دکھائے جن میں مشہور فلمیں ہیں: راجہ ہندوستانی، کچھ کچھ ہوتا ہے، دل تو پاگل ہے، کہو نہ پیار ہے، کبھی خوشی کبھی غم اور دل والے دلہنیا لے جائیں گے۔ جن میں انھیں بہترین معاون اداکارہ کا فلم فیئر ایوارڈ ملا۔ انہوں نے ٹیلی ویژن کے بہت سے سیریلوں میں بھی کام کیا۔

ان کو 1994 میں فلم ''ممو'' کے لئے بہترین کارکردگی کا فلم فیئر ایوارڈ سے نوازا گیا جس سے انہیں کافی شہرت حاصل ہوئی۔ 2005 میں انہوں نے 50 ویں فلم فیئر ایوارڈ کے جلسے میں سیف علی خان اور سونالی بیندرے کے ساتھ نظامت کے فرائض انجام دئے۔

فریدہ جلال نے اداکار تبریز برماور سے شادی کی جن کا ستمبر 2003 میں انتقال ہوگیا۔ ان کا ایک بیٹا ہے جس کا نام یاسین ہے۔ فریدہ جلال کو اگرچہ کسی بڑے اداکار کی ہیروئن بننے کا موقع نہیں ملا سوائے آرادھنا میں راجیش کھنہ کے ساتھ لیکن انہوں نے اپنے شوہر تبریز کے ساتھ فلم ''جیون ریکھا'' میں ہیروئن کا کردار ادا کیا۔ اس فلم میں پران اور اجیت جیسی بڑی شخصیتوں نے کام کیا۔ اس فلم کا ایک نغمہ بہت مشہور ہوا ''یار میرے میری باہوں میں آجا'' جسے محمد رفیع نے آواز دی تھی۔

فریدہ جلال نے جن فلموں میں کام کیا ان میں اہم ہیں:

یہ راستے ہیں پیار کے (1963)، تقدیر، آرادھنا (1969)، نیا راستہ (1970)، کھوج (1971)، زندگی زندگی (1972)، بابی (1973)، مجبور (1974)، خوشبو (1975)، کوئی جیتا کوئی ہارا (1976)، آخری گول (1977)، نیا دور (1978)، جرمانا (1979)، عبداللہ (1980)، یارانہ (1981)، پایل (1992)، ممو (1994)، آندولن (1995)، لوفر (1996)، دل تو پاگل ہے (1997)، کچھ کچھ ہوتا ہے (1998)، زبیدہ (2001)، دیوانگی (2002)، کہونا پیار ہے (2003)، ٹارزن: دی ونڈر کار (2004)

فریدہ جلال نے فلموں کے علاوہ ٹیلی ویژن پروگرام میں بھی نمایاں کردار نبھایا ہے جن میں اہم یہ ہیں:

''یہ جو ہے زندگی''، ''دیکھ بھائی دیکھ''، ''شرارت''، ''اسٹار یا رکلا کار''، ''اسٹار پریوار ایوارڈس''، ''بالیکا ودھو''، ''اماجی کی گل''، ''دی گریٹ مراٹھا''

فریدہ جلال کی ان نمایاں کامیابیوں کی وجہ سے انہیں کئی بڑے انعامات سے نوازا گیا

ہے جن میں:

- فلم ''پارس'' کے لئے بہترین معاون اداکارہ کا فلم فیئر ایوارڈ 1971 میں حاصل کیا۔
- فلم ''حنا'' کے لئے بہترین معاون اداکارہ کا فلم فیئر ایوارڈ 1991 میں دیا گیا۔
- فلم ''ممو'' کے لئے بہترین اداکارہ کا فلم فیئر کریٹکس ایوارڈ 1994 میں حاصل کیا۔
- 1996 میں بنگال فلم جرنلسٹ ایسوسیئشن ایوارڈ سے نوازی گئی فلم ''ممو'' میں بہترین اداکاری کے لئے۔
- فلم ''دل والے دلہنیا لے جائیں گے'' کے لئے 1996 میں فریدہ جلال کو بہترین معاون اداکارہ فلم فیئر انعام سے نوازا گیا۔

کیٹرینہ کیف

کیٹرینہ کیف برطانوی نژاد ہندوستانی فلم اداکارہ ہیں۔ان کی پیدائش ہانگ کانگ میں ہوئی تھی۔16 جولائی 1984 کو پیدا ہونے والی کیٹرینہ کے والد محمد کیف ایک کشمیری اور والدہ انگریز ہیں۔جس وقت کیٹرینہ کافی بڑی ہوچکی تھیں ان کے والدین میں علیحدگی ہوگئی۔مستقل ممبئی ہجرت کرنے سے قبل کیٹرینہ کئی ممالک میں رہیں۔

ہندی فلموں میں آج کل کیٹرینہ کیف ایک ہردل عزیز اداکارہ کے درجے پر فائز ہیں۔ہندی فلموں کی صف اول کی اداکارہ کیٹرینہ نے متعدد فلموں میں کام کیا اور داد و تحسین حاصل کی۔انھیں کئی فلمی اور فیشن جریدوں نے ایشیا کی خوبصورت اور دلکش ترین خاتون کا خطاب بھی دیا ہے۔

2003 میں کیزاد گستاد کی فلم ''بوم'' کے ساتھ کیٹرینہ نے فلمی دنیا میں قدم رکھا۔ 2005 میں ''سرکار'' اور ''میں نے پیار کیوں کیا'' فلموں نے ان کے لئے کامیابی کے دروازے کھول دئے پھر کیٹرینہ نے کبھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔2006 میں جیا اے لیش وردھن کی فلم ''ہم کو دیوانہ کر گئے'' سے بھی انھیں خوب مقبولیت ملی۔

2007 کے بعد سے کیٹرینہ کے لئے کامیابیوں کا زبردست سلسلہ شروع ہوا۔وپل شاہ کی فلم ''نمستے لندن'' میں ایک پنجابی انگریز لڑکی کا کامیاب رول ادا کرنے کے بعد انھیں ڈیوڈ دھون کی 2007 ہی میں آئی ''پارٹنر''، انیس بزمی کی ''ویلکم''، عباس۔مستان کی ''ریس'' جو کہ 2008 میں آئی، اور اسی سال آنے والی انیس بزمی کی فلم ''سنگھ اِز کنگ'' نے لوگوں کو

دیوانہ بنادیا۔2009 میں کبیر خان کی فلم ''نیویارک'' اوراسی سال آنے والی راج کمار سنتوشی کی فلم ''عجب پریم کی غضب کہانی'' نے بھی کامیابی کے جھنڈے گاڑے۔2010 میں آنے والی پرکاش جھا کی ''سیاسی تھرلر'' فلم ''راج نیتی'' اورزویا اختر کی 2011 میں آنے والی فلم ''زندگی نہ ملے گی دوبارہ'' سے وہ مقبولیت کی بلندیوں تک پہنچ گئیں۔

عصر حاضر کی ہندی فلموں کی چوٹی کی اداکارہ کیٹرینہ کیف حال ہی کی فلم ''میرے بردر کی دلہن'' میں بھی خوب پسند کی گئیں۔

کیٹرینہ نے شروعات میں جس فلم ''بوم'' میں کام کیا، اس فلم میں ان کے کردار کی تعریف اور برائی دونوں ہوئی۔بعض حلقوں نے فلم کے بعض انتہائی برہنہ مناظر پراعتراض بھی کیا۔فلموں میں کام ملنے کی شروعات میں ایک رکاوٹ ان کا ہندی اچھی نہ بول پانا بھی تھی۔

2009اور2010 میں آنے والی ان کی کچھ فلمیں یقیناً ان کے فلمی سفر میں میل کا پتھر تھیں۔فلم ''نیویارک'' میں ان کا کردار بے انتہا سراہا گیا۔اس فلم میں انہوں نے جان ابراہم اور نیل نتن مکیش کے ساتھ کام کیا تھا۔2010 میں پرکاش جھا کی فلم ''راج نیتی'' میں ان کا کام سبھوں کو حیرت زدہ کرگیا۔ایک سیاسی خاندان کی بہو کے کردار کو نبھاتے وقت انہوں نے ایک ایسی لڑکی کا کردار نبھایا جو محبوب لڑکے کی بھابی بننے پر مجبور ہوئی اور بعد میں اس کے شوہر کا قتل ہوگیا جس کے بعد اسے اپنے شوہر کی سیاسی وراثت کو آگے بڑھانا تھا۔

2011 میں فرحان اختر، رتک روشن اور ابھے دیول کے ساتھ آئی فلم ''زندگی نہ ملے گی دوبارہ'' میں کیٹرینہ کیف کو بہت مقبولیت ملی۔آنے والے دنوں میں ان کی کئی فلمیں ریلیز ہونے والی ہیں جن سے امید لگائی جارہی ہے کہ کاروباری اعتبار سے یہ فلمیں بے حد کامیاب رہیں گی بالخصوص 15 اگست 2012 کو ریلیز ہونے جارہی ان کی فلم ''ایک تھا ٹائیگر'' تو ریلیز سے پہلے ہی زبردست کمائی کررہی ہے۔اس فلم کے ہیرو سلمان خان ہیں۔

فلموں میں زبردست مقبولیت کے سبب کیٹرینہ کئی بڑی کمپنیوں کی برانڈ ایمبیسڈر بن چکی ہیں۔ کئی ٹی وی اشتہاروں میں دکھائی دے رہیں کیٹرینہ اس وقت بالی ووڈ کی مہنگی ترین اداکاراؤں میں سے ایک ہیں۔

کیٹرینہ کی فلموں میں بوم (2003)، ملیشواری (2004)، سرکار (2005)، میں نے پیار کیوں کیا؟ (2005)، الّارے پدوگو (2005)، ہم کو دیوانہ کر گئے (2006)، بلرام ورسیز تاراداس (2006)، نمستے لندن (2007)، ویلکم (2007)، ریس (2008)، سنگھ از کنگ (2008)، ہیلو (2008)، یوراج (2008)، نیو یارک (2009)، بلیو (2009)، عجب پریم کی غضب کہانی (2009)، دے دنا دن (2009)، راج نیتی (2010)، اگنی پتھ (2012) اور ایک تھا ٹائیگر (2012) شامل ہیں۔

کیٹرینہ کی کئی فلموں کو فلم فیئر ایوارڈوں کے لئے نامزد کیا گیا جن میں ''میرے بردر کی دلہن'' اور ''نیو یارک'' شامل ہیں۔

کُم کُم

فلم اداکارہ کم کم کا آبائی تعلق بہار کے حسین آباد سے ہے۔ کم کم نے اپنے فلمی کریئر کے دوران متعدد فلموں میں کام کیا ہے۔ حالانکہ انہوں نے بہت ساری فلموں میں مختلف کردار نبھایا لیکن کچھ فلموں میں ان کا کام خصوصیت سے یاد کیا جاتا رہا ہے۔ محبوب خان کی معروف فلم ''مدر انڈیا، مس آف انڈیا، مسٹر ایکس ان بامبے، کوہِ نور، اجالا، نیا دور، شری مان فنٹوش، ایک سپیرا ایک لٹیرا، آنکھیں، للکار اور ایک کنواری ایک کنوارا'' فلموں میں کم کم کا کام بہت پسند کیا گیا۔ کم کم نے ہندی فلموں کے ساتھ ساتھ بھوجپوری فلموں میں بھی کام کیا۔ بھوجپوری میں ان کی پہلی فلم ''گنگا میا تو ہے پیئری چڑھئی بو'' تھی۔

کم کم نے جن فلموں میں کام کیا ان کی فہرست کافی طویل ہے جیسے 1973 میں دھمکی، ایک کنواری ایک کنوارا، جلتے بدن، 1972 میں للکار اور آن بان، 1971 میں ایک دن آدھی رات، 1970 میں دھرتی، گناہ اور قانون اور گیت، 1968 میں آنکھیں، ہائے میرا دل اور راجا اور رنک، 1967 میں دنیا ناچے گی اور گنہ گار، 1966 میں سو سال بعد، میں وہی ہوں اور اسمگلر، 1965 میں ایک سپیرا ایک لٹیرا، شری مان فنٹوش، 1964 میں گنگا کی لہریں، مسٹر ایکس ان بامبے، 1963 میں باغی شہزادہ، 1962 میں برما روڈ، گنگا میاں تو ہے پیئری چڑھئی بو، کنگ کانگ، سن آف انڈیا، 1961 میں کروڑ پتی، سلام میم صاحب اور تیل مالش بوٹ پالش، 1960 میں بھکت راج، دل بھی تیرا ہم بھی تیرے، دنیا جھکتی ہے، گھر کی لاج، کوہ نور، شان ہند، تو نہیں اور سہی، 1959 میں کمانڈر، شرارت، اجالا، 1958 میں کبھی

اندھیرا کبھی اجالا، اور ہوم لائف، 1957 میں پیاسہ، مدر انڈیا، انجلی، ارپن، بارش، دشمن، نیا دور، سورن سندری، استاد، 1956 میں بسنت بہار، بھاگم بھاگ، سی آئی ڈی، ایک ہی راستہ، فنٹوش، سلام میم صاحب، نیا انداز، سمندری ڈاکو اور سپہ سالار، 1955 میں بندیا، حاتم طائی کی بیٹی، ہاؤس نمبر 44، جاسوس، کندن، ملاپ، مسٹر اینڈ مسز 55، رخسانہ، سوسائٹی اور 1954 میں گویا اور مرزا غالب جب کہ 1936 کی کروڑ پتی فلمیں شامل ہیں۔

گوہر خان

گوہر خان ایک معروف ہندوستانی اداکارہ، ماڈل اور ویڈیو جا کی ہیں۔ زیادہ تر لوگ انھیں ''راکٹ سنگھ'' (2009) نامی فلم میں ان کے کام کے حوالے سے جانتے ہیں۔ گوہر خان ٹی وی اداکارہ نگار خان کی بہن ہیں۔ گوہر خان کی پیدائش 23 اگست 1981 کو مہاراشٹر کے پونہ میں ہوئی تھی۔ اپنی اسکولی تعلیم انہوں نے ماؤنٹ کارمل کانوینٹ ہائی اسکول پونہ سے پوری کی۔ گوہر خان نے ماڈلنگ کی دنیا میں قدم رکھنے کے بعد کئی ٹی وی اشتہاروں میں کام کیا۔ 2002 میں فیمینا مس انڈیا کانٹسٹ میں انہوں نے حصہ لیا اور چوتھی پوزیشن پائی۔ اسی سال انہوں نے مس انٹرنیشنل کانٹیسٹ میں ہندوستان کی نمائندگی بھی کی۔

ابتدائی دنوں میں انہوں نے کچھ میوزک ویڈیوز میں کام کیا۔ زوم ٹی وی پر پیج 3 نامی ایک پروگرام کی میزبانی بھی انہوں نے کی۔ 2012 کی فلم ''عشق زادے'' میں معاون اداکارہ کے طور پر بھی گوہر خان نے کام کیا۔

گوہر خان نے فلم اداکاری کے کیریئر کی شروعات 2003 میں ''مس انڈیا دی مسٹری'' فلم کے ساتھ ہوئی۔ 2004 میں مدھر بھنڈارکر کی فلم ''آن'' میں انہوں نے ایک آئٹم نمبر کیا۔ 2009 میں یش راج بینر کی فلم ''راکٹ سنگھ: سیلس مین آف دی ایئر'' میں انہوں نے ایک اہم کردار ادا کیا۔ 2010 میں ''ونس اپان اے ٹائم اِن ممبئی'' میں بھی انہوں نے ایک آئٹم نمبر کیا ہے۔

گوہر خان کی فلمی فہرست میں ''مس انڈیا: اے مسٹری (2003)، شنکر دادا ایم بی بی ایس (2004)، آن: مین ایٹ ورک (2004)، راکٹ سنگھ: سیلس مین آف دی ایئر (2009)، ونس اپان اے ٹائم ان ممبئی (2010)، گیم (2011) اور عشق زادے (2012)'' شامل ہیں۔

لیلیٰ خان

گزشتہ دنوں ہی لیلیٰ خان کی پراسرار حالات میں موت ہوگئی۔ پولس کے مطابق انھیں قتل کیا گیا ہے۔ لیلیٰ خان نے 2008 میں ہندی فلم وفا میں کام کیا تھا۔ لیلیٰ خان کی پیدائش پاکستان میں ہوئی تھی۔ مبینہ طور پر لیلیٰ نے منیر خان نامی شخص سے شادی کرلی تھی۔

لیلیٰ خان نے ہندی فلموں میں قسمت آزمائی کی شروعات کی تھی اور 2008 میں انھیں فلم ''وفا'' میں کام مل گیا تھا۔ اس فلم میں انہوں نے معروف اداکار راجیش کھنہ کے ساتھ کام کیا تھا۔ راجیش کھنہ نے حال ہی میں داعی اجل کو لبیک کہا ہے۔

لیلیٰ خان نے اپنے بالی ووڈ کیریئر کی شروعات ریشما پٹیل کے طور پر کی تھی۔ ان کے پہلے ہدایت کار راکیش ساونت تھے جن کے ساتھ انہوں نے دو گمنام سی فلموں میں بھی کام کیا۔

لیلیٰ خان کی چاہت فلمی دنیا میں بہت آگے جانے کی تھی لیکن عمر نے وفا نہیں کی۔ لیلیٰ کے بارے میں پولس نے یہ شبہ بھی ظاہر کیا کہ اس کے تعلقات بعض ملک دشمن عناصر سے بھی تھے۔ بہر حال ان سطور کے لکھے جانے تک پولس لیلیٰ خان کے قتل کی تفتیش میں لگی ہوئی ہے۔ قابل ذکر ہے کہ لیلیٰ کی لاش بھی پولس نے برامد نہیں کی ہے بلکہ اس کے مطابق لیلیٰ کے چند باقیات ہی ملے ہیں۔

لیلیٰ مہدن

لیلیٰ مہدن ہندی کے علاوہ تامل، تیلگو، ملیالم اور کنڑ فلموں کی اداکارہ ہیں۔ ان کی پیدائش 24 اکتوبر 1980 کو ہوئی تھی۔ لیلا کے فلمی سفر کی شروعات 1996 میں ایک تیلگو فلم کے ساتھ ہوئی جسے ہدایت کار ایس وی کرشنا ریڈی نے بنایا تھا۔ اس فلم کے بعد تامل فلموں کے کئی بڑے ہدایت کاروں نے انھیں فلمیں آفر کیں۔

لیلیٰ نے 6 جنوری 2006 کو ایک ایرانی تاجر مہدِن سے شادی کر لی۔ کہا جاتا ہے کہ گزشتہ سات برسوں سے ان کا مہدِن کے ساتھ معاشقہ چل رہا تھا۔ حالانکہ لیلیٰ اس الزام کو برابر مسترد کرتی رہی ہیں۔ فی الحال ایک بیٹے کی ماں لیلیٰ فلموں سے کنارہ کر چکی ہیں۔ انھیں 2001 میں فلم ''تندا'' کے لئے بہترین تامل اداکارہ کا فلم فیئر ایوارڈ اور 2003 میں فلم ''یتم گن'' کے لئے فلم فیئر اور آئی ٹی ایف اے ایوارڈ مل چکے ہیں۔

لیلیٰ نے 1996 کی ہندی فلم ''دشمن دنیا کا'' میں لتا کا کردار ادا کیا تھا جب کہ 2005 کی ہندی فلم ''انسان'' میں انہوں نے اندو کا رول نبھایا تھا۔ لیلیٰ دس تیلگو، چار ملیالم، انیس تامل، دو اردو اور تین کنڑ فلموں میں بھی کام کر چکی ہیں۔

مدھو بالا

مدھو بالا کا اصلی نام ممتاز بیگم جہاں دھلوی تھا۔ پیدائش 14 فروری 1933 میں ہوئی اور 23 فروری 1969 صرف 36 سال کی عمر میں انتقال ہوگیا۔ انہوں نے اس مختصر سی طبعی زندگی میں اتنے اہم کام کرڈالے کہ فلمی دنیا میں ان کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔

مدھو بالا دہلی میں پیدا ہوئیں۔ ان کے والدین کا تعلق افغانستان کے نوابی خاندان سے تھا۔ افغانستانی فوج سے نکالے جانے کے بعد ان کے دادا نے ہندوستان میں پناہ لی۔ ممتاز جہاں بیگم اپنے گیارہ بہن بھائیوں میں پانچویں نمبر کی تھیں۔ ان کے والد عطاء اللہ خاں کی نوکری چھوٹ جانے کے بعد ان کا خاندان ممبئی ہجرت کرگیا۔ یہیں پر ممتاز جہاں نے نو سال کی عمر میں فلموں میں قدم رکھا۔ ان کی پہلی فلم ''بسنت'' 1942 میں ریلیز ہوئی۔ جس میں انہوں نے اس دور کی مشہور اور مقبول ہیروئن ممتاز شانتی کی بیٹی کا کردار ادا کیا۔ اس کے بعد کئی فلموں میں بحیثیت Child Artist کام کیا۔ ان کی صلاحیتوں اور محنت کو دیکھ کر مشہور ایکٹریس دیویکا رانی بہت متاثر ہوئیں اور انہیں مشورہ دیا کہ وہ اپنا نام ''مدھو بالا'' رکھ لے۔ انہیں یہ نام پسند آیا۔ بہت جلد ان کی شہرت عام ہونے لگی اور لڑکپن میں ہی ہیروئن کی حیثیت سے مرکزی کردار ملنے شروع ہوگئے۔ 1947 میں کیدار شرما نے اپنی فلم ''نیل کمل'' میں انہیں راج کپور کی ہیروئن کا موقع دیا۔ اس وقت مدھو بالا صرف 14 سال کی تھیں لیکن اپنی کردار کی ادائیگی سے سبھی کا دل جیت لیا۔ اگلے دو سال میں ان کی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ بے پناہ خوبصورتی کے چرچے عام ہوگئے۔ 1949 میں فلم محل کی کامیابی کے ساتھ ہی

مدھوبالا ہر دل عزیز ہوگئی۔ اس وقت مدھوبالا 16 سال کی تھیں اور ان کے مقابلے میں اس دور کے مقبول ترین سینئر ہیرو اشوک کمار تھے۔ اسی فلم سے مدھوبالا کے ساتھ لتا منگیشکر بھی ان کے گائے گیت ''آئے گا آنے والا...'' کے لئے مقبول خاص و عام ہوئیں۔ 1950 میں ان کی طبیعت خراب ہوگئی۔ دل میں درد اٹھا اور منہ سے خون نکل آیا۔ جانچ کے بعد پتہ چلا کہ ان کے دل میں سوراخ ہے۔ یہ بے مثال حسینہ اپنی نوعمری ہی میں دل کے عارضہ میں گرفتار ہو چکی تھی۔ اس وقت ہندوستان میں دل کا آپریشن اتنا آسان نہیں تھا۔ مدھوبالا نے سبھی سے اپنی بیماری کو چھپائے رکھا اور مسلسل فلموں میں ایک کے بعد دوسرا کامیاب کردار ادا کرتی رہی۔ ان کی شہرت یوروپی ممالک میں پھیل چکی تھی۔ ہالی ووڈ سے آفر آنے لگے۔ مدھوبالا پہلی ہندوستانی ہیروئن تھیں جن کی تصویریں یوروپ کے کئی فلمی رسالوں کے کور پیج پر شائع ہوئیں اور ہالی ووڈ کی فلموں میں کام کرنے کا موقع ملا لیکن ان کے والد نے ہالی ووڈ بھیجنے سے انکار کر دیا۔ اس طرح مدھوبالا کی ترقی کا ایک باب یہیں ختم ہوگیا۔ ان کی بیماری زیادہ دن تک چھپ نہ سکی۔ 1954 میں جب وہ مدراس میں S.S. Vasan کی فلم ''بہت دن ہوئے'' کے سیٹ پر تھیں تو انہیں خون کی الٹی ہوئی اور ان کی بیماری کی خبریں تمام میڈیا میں چھا گئیں۔ اگرچہ ان کے گھر والے ان کی صحت کا خاص خیال رکھتے تھے وہ صرف گھر کا بنا کھانا کھاتی تھیں اور ایک مخصوص کنوئیں کا پانی پیتیں تھیں۔

فلم محل کے بعد چار سال کے دوران مدھوبالا نے 24 فلموں میں کامیاب کام کیا۔ فلم نقادوں نے کہنا شروع کر دیا تھا کہ مدھوبالا اپنی ایکٹنگ کے مقابلے میں زیادہ خوبصورت ہے۔ اس لئے انہوں نے کچھ تو اپنی خوبصورتی کے احساس سے اور کچھ خاندان کی ذمہ داریوں کے نبھانے کے لئے ہر ایک فلم میں کام کرنا قبول کر لیا جس میں کچھ غیر معیاری فلمیں بھی شامل ہیں لیکن جلد احساس ہونے کے بعد انہوں نے اپنے قدم روک دیے۔ تب تک یہ ثابت ہو چکا تھا کہ مدھوبالا ایک ایسی اداکارہ ہیں جو ہر قسم کا کردار ادا کر سکتی ہیں۔ اس

دوران ان کی کئی سپر ہٹ فلمیں منظر عام پر آئیں۔ 1955 میں انہوں نے خود ایک فلم ''ناطہ'' پروڈیوس کی، جس میں خود بھی مرکزی کردار ادا کیا۔ ان کی اچھی فلموں کی فہرست کافی طویل ہے۔ کے. آصف کی شاہکار فلم مغل اعظم نے مدھو بالا کو فلمی دنیا کا ایک لافانی ستارے کی حیثیت عطا کر دی۔ مغل اعظم سے وابستہ بہت سے واقعات ہیں جو بے حد دلچسپ اور حیرت کن ہیں۔ ان کی تفصیل کی گنجائش اس مضمون میں نہیں لیکن ایک بات جو سب جانتے ہیں کہ مدھو بالا دلیپ کمار سے عشق کرتی تھیں اور اسی سچے عشق کی تپش تھی کہ مدھو بالا نے انار کلی کے بے مثال کردار کو زندہ و جاوید کر دیا۔ یہاں یہ ذکر کر دینا بھی غیر دلچسپ نہ ہوگا کہ مدھو بالا کے والد کو دلیپ کمار کے ساتھ اپنی بیٹی کی دوستی منظور نہ تھی۔ اور وہ ہر اس جگہ موجود رہتے تھے جہاں دلیپ کمار اور مدھو بالا کی شوٹنگ ہو رہی ہوتی۔ بی. آر. چوپڑا صاحب کی فلم ''نیا دور'' میں پہلے مدھو بالا کو رکھا گیا تھا۔ اس کی کچھ شوٹنگ ہو بھی چکی تھی لیکن ایک لمبی شوٹنگ کے لئے پورے عملے کو بھوپال جانا تھا جہاں کئی مہینے شوٹنگ کے امکان تھے۔ مدھو بالا کے والد بی. آر. چوپڑا سے لڑ پڑے کہ ''آپ میری بیٹی اور دلیپ کمار کو زیادہ نزدیک آنے کے لئے مواقع فراہم کر رہے ہیں۔ اس پر بی. آر. چوپڑا نے خفا ہو کر مدھو بالا کی جگہ وجنتی مالا کو اس فلم میں سائن کیا۔ جس کا مدھو بالا کو بہت صدمہ ہوا۔ اس دوران مدھو بالا اور کشور کمار کی نزدیکیاں فلم ''چلتی کا نام گاڑی'' سے بڑھنے لگی تھیں۔ 1960 میں دونوں نے شادی کر لی۔ دونوں کے خاندان والے اس شادی سے خوش نہیں تھے، ایک ہی مہینے کے بعد دونوں الگ الگ رہنے لگے۔ ذہنی تناؤ سے مدھو بالا کی بیماری اور بڑھتی گئی۔ تاہم مدھو بالا. کام کرتی رہی جب زیادہ مشکل ہونے لگی تو مدھو بالا نے فلم ڈائریکشن کی طرف رخ کیا اور 1969 میں ایک فلم ''فرض اور عشق'' نام سے شروع کی جو کبھی مکمل نہ ہو سکی بالآخر 23 فروری 1969 میں اپنی 36 ویں سالگرہ کے کچھ ہی دن بعد یہ جگمگاتا ستارہ موت کے اندھیرے میں گم ہو گیا۔ اس کی آخری رسومات سانتا کروز کے قبرستان میں ادا ہوئیں۔ جہاں اس کے

شوہر کشور کمار نے اس کی قبر پر سنگ مرمر کا مقبرہ تعمیر کروایا اور اس پر قرآنی آیات لکھوا کر اپنی جانب سے اظہار عقیدت پیش کیا۔

مدھو بالا نے اپنی مختصر سی زندگی میں 70 سے زیادہ فلمیں اس دنیا کو تحفے میں دی ہیں جن کی فہرست اس طرح ہے۔

1942 میں بسنت، 1944 میں ممتاز محل، 1945 میں دھنا بھگت، 1946 میں راجپوتانی، پوجاری، پھلواری، 1947 میں سات سمندروں کی ملکہ، میرے بھگوان، خوبصورت دنیا، دل کی رانی سویٹ ہارٹ، چتوڑ وجے، نیل کمل، 1948 میں پرائی آگ، لال دوپٹہ، دیش سیوا، امر پریم، 1949 میں سپھیا، سنگار، پارس، نیکی اور بدی، محل، امتحان، دلاری، دولت، اپرادھی، 1950 میں پردیس، نشانہ، نرالا، مدھو بالا، ہنستے آنسو، بے قصور، 1951 میں ترانہ، سیاں، نازنین، نادان، خزانہ، بادل، آرام، 1952 میں ساقی، سنگدل، 1953 میں ریل کا ڈبہ، ارمان، 1954 میں بہت دن ہوئے، امر، 1955 میں تیر انداز، نقاب، ناطہ، Mr & Mrs 55، 1956 میں شیریں فرہاد، راج ہٹ، ڈھاکے کی ململ، 1957 میں یہودی کی لڑکی، Gate way of India، ایک سال، 1958 میں پولس، پھاگن، کالا پانی، ہاوڑا برج، چلتی کا نام گاڑی، باغی سپاہی، 1959 میں کل ہمارا ہے۔ انسان جاگ اٹھا، دو استاد، 1960 میں محلوں کے خواب، جالی نوٹ، برسات کی رات، مغل اعظم، 1961 میں پاسپورٹ، جھمرو، 'Boy Friend' 1962 میں ہاف ٹکٹ، 1964 میں شرابی۔

مختار بیگم

مختار بیگم فلم اداکارہ کے ساتھ ساتھ 1930 اور 1940 کی دہائی کی ایک مقبول گلوکارہ تھیں۔ پہلے پہل ایک اسٹیج رقاصہ کی حیثیت سے مقبول ہوئیں اس کے بعد اسٹیج ڈرامے کے دوران ان کی ملاقات آغا حشر کاشمیری سے ہوئی۔ آغا صاحب اور مختار میں محبت کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ بعد میں آغا صاحب اور مختار بیگم کی شادی ہوگئی۔ مختار بیگم کی پیدائش امرتسر میں ہوئی تھی۔ میاں محراب خاں اور استاد عاشق علی خاں نے مختار کو موسیقی کی باریکیوں سے آگاہ کیا۔ ٹھمری، دادرا اور غزل کی تربیت حاصل کرنے والی مختار نے ملک کے بڑے بڑے رؤساء کے یہاں اپنے فن کا مظاہرہ کیا۔

کچھ دن بعد مختار کلکتہ منتقل ہوگئیں۔ اس زمانے میں کلکتہ تھیٹر اور فلموں کا مرکز ہوا کرتا تھا۔ اسی زمانے میں مختار نے کئی اسٹیج ڈراموں میں کام کیا۔ آغا حشر کاشمیری کے لکھے گئے ڈراموں میں مختار نے مرکزی کردار نبھایا۔ مختار نے کئی فلموں میں اداکاری کی۔ موسیقی کی دنیا میں مقبولیت حاصل کرنے والی مختار نے بہت ساری غزلیں وہ گائیں جو آغا حشر کاشمیری کی لکھی ہوئی تھیں۔ آل انڈیا ریڈیو سے بھی مختار کے کئی پروگرام نشر ہوئے۔ تقسیم ملک کے بعد مختار نے ہجرت کا فیصلہ کیا اور لاہور چلی گئیں۔ وہاں جاکر بھی موسیقی وگلوکاری سے ان کا رشتہ قائم رہا اور مرتے دم تک انھوں نے اس فن کو گلے سے لگائے رکھا۔

مختار نے جن فلموں میں کام کیا ان میں متوالی میرا (1947)، پریم کی آگ (1936)، مجنوں (1935)، دل کی پیاس (1935)، آنکھ کا نشہ (1933)، رامائن

(1933)، عورت کا پیار (1933)، شرون کمار (1932)، مفلس عاشق (1932)، اندر سبھا (1932)، ہندوستان (1932)، ہٹیلی دلہن (1932)، چترا بکاولی (1932)، علی بابا اور چالیس چور (1932) شامل ہیں۔ مختار فریدہ خانم، جو کہ ایک معروف گلوکارہ ہیں، کی بڑی بہن تھیں۔

سعادت حسن منٹو نے اپنی یادداشتوں میں مختار کا تذکرہ کیا ہے۔ 'آغا حشر کاشمیری سے دو ملاقاتیں' عنوان سے لکھے ایک خاکہ سے لیا گیا ایک اقتباس یہاں درج کیا جا رہا ہے۔ ''آغا صاحب نے کبھی کسی عورت سے عشق نہیں کیا۔ لیکن مجھے داروغہ ابراہیم کی زبانی معلوم ہوا کہ یہ بات جھوٹ ہے، کیونکہ وہ امرتسر کی مشہور طوائف مختار پر عاشق ہیں۔ وہی مختار جس نے عورت کا پیار فلم میں ہیروئن کا پارٹ ادا کیا ہے۔ مختار کو میں نے دیکھا ہوا تھا، ہال بازار میں انور پینٹر کی دکان پر بیٹھ کر ہم قریب قریب ہر جمعرات کی شام کو مختار عرف داری کو نئے فیشن کے کپڑوں میں ملبوس دوسری طوائفوں کی ہمراہ ظاہرا پیر کی درگاہ کی جانب جاتے دیکھا کرتے تھے۔

آغا صاحب شکل و صورت کے کیسے تھے یہ مجھے معلوم نہیں تھا۔ کچھ چھپی ہوئی تصویریں دیکھنے میں آئی تھیں۔ مگر ان کی چھپائی اس قدر واہیات تھی کہ صورت پہچانی ہی نہیں جاتی تھی۔ عمر کے متعلق صرف اتنا معلوم تھا کہ وہ اب ضعیف ہو چکے ہیں۔ اس زمانے میں یعنی عمر کے آخری وقت میں ان کو مختار سے کیسے عشق ہوا۔ اس پر ہم سب کو جو دینو یا فضلو کمہار کی بیٹھک میں جوا کھیل رہے تھے، سخت تعجب ہوا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ نال کے پیسے نکالتے ہوئے دینو یا فضلو کمہار نے گردن ہلا کر بڑے فلسفیانہ انداز میں کہا تھا ''بڑھاپے کا عشق بڑا قاتل ہوتا ہے۔''

ایک بار آغا صاحب کا ذکر بیٹھک پر ہوا تو پھر قریب قریب ہر روز ان کی باتیں ہونے لگیں۔ ہم میں سے صرف داروغہ ابراہیم آغا صاحب کو ذاتی طور پر جانتا تھا۔ ایک روز اس

نے کہا کل رات، ہم مختار کے کوٹھے پر تھے۔ آغا صاحب گاؤ تکیہ پر سہارا لگائے بیٹھے تھے۔ ہم میں سے ہر ایک نے باری باری ان سے پر زور درخواست کی کہ وہ اپنے نئے فلمی ڈرامے رستم وسہراب کا کوئی قصہ سنائیں۔ مگر انھوں نے انکار کر دیا۔ ہم سب مایوس ہو گئے۔ ایک نے مختار کی طرف اشارہ کیا۔ وہ آغا صاحب کی بغل میں بیٹھ گئی اور کہنے لگی آغا صاحب ہمارا حکم ہے کہ آپ رستم وسہراب سنائیں! آغا صاحب مسکرائے اور بیٹھ کر رستم کا پر زور مکالمہ ادا کرنا شروع کر دیا۔ اللہ اللہ کیا گرجدار آواز تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ پانی کا تیز دھارا پہاڑ کے پتھروں کو بہائے لئے جا رہا ہے۔"

ممتاز (ممتاج)

(یہ ایک تامل اداکارہ ہیں اور اپنا نام ممتاج ہی لکھتی ہیں)

حالانکہ ممتاج تامل فلموں کی اداکارہ ہیں لیکن انہوں نے کئی ہندی فلموں میں بھی کام کیا ہے۔ وہ 2000 سے 2007 تک جنوبی ہند کی فلموں میں اپنے گلیمر سے بھرپور کرداروں کے لئے خوب پسند کی گئیں۔ حالانکہ ممتاج نے صرف دو ہی ہندی فلموں میں کام کیا لیکن ان کے کام کو کافی پسند کیا گیا اور ہندی سنیما میں ان کی شخصیت جانی پہچانی ہوگئی۔

سنہ 2001ء میں ہندی فلم ''بوند'' میں ممتاج نے نیلم کا کردار ادا کیا تھا۔ اسی سال ایک اور ہندی فلم میں وہ نظر آئیں۔ یہ فلم ''یہ تیرا گھر یہ میرا گھر'' تھی جس میں ممتاج نے انوپما ورما کا کردار نبھایا تھا۔ ان دونوں فلموں کے علاوہ انہوں نے 23 تامل اور ملیالم فلم میں بھی کام کیا۔

ممتاج نے کئی ٹی وی پروگراموں میں بھی اپنی نمائندگی درج کرائی ہے۔ اسٹار وجے چینل کے ڈانس ریئلٹی شو بوائز ورسیز گرل کے سیزن 1 میں وہ اداکار سری کانت کے ساتھ بطور جج شریک ہوئی تھیں۔ فی الوقت وہ کلیگنار ٹی وی پر ایک اور پروگرام میں بطور جج شرکت کر رہی ہیں۔

ممتاز

ہندوستانی سنیما میں ایک اہم نام ''ممتاز'' ہے۔ ممتاز 31/ جولائی 1947 میں پیدا ہوئیں۔ انہوں نے 1960 کی دہائی میں Extra کی حیثیت سے فلموں میں قدم رکھا اور ہر طرح کے کردار کو قبول کیا۔ بڑی فلموں میں چھوٹے رول جیسے ''مجھے جینے دو'' اور چھوٹی فلموں میں بڑے رول جیسے ''باکسر''، ''سیم سن''، ''ٹارزن'' اور ''کنگ کانگ''۔ دارا سنگھ کے ساتھ تقریباً 16 فلموں میں کام کرنے کی وجہ سے ممتاز کو Stunt Heroine کہا جانے لگا۔ 1965 میں فلم ''میرے صنم'' میں Vamp کا کردار ادا کر کے پہلی مرتبہ توجہ کا مرکز بنی۔ جنسی جذبات سے بھرپور یادگار گیت ''یہ ہے ریشمی زلفوں کا اندھیرا نہ گھبرائے، جہاں تک مہک ہے میرے گیسوؤں کی چلے آیئے... '' ممتاز پر فلمایا گیا، جس سے ممتاز نوجوانوں کے دل ودماغ پر چھا گئی۔ اس نوعیت کا دوسرا گیت ''اے دشمن جاں''، فلم پتھر کے صنم میں ممتاز پر فلمایا گیا، جس سے اس کی شہرت اور بڑھ گئی، لیکن سب سے زیادہ شہرت اس وقت ملی، جب 1967 میں فلم رام اور شیام میں دلیپ کمار اور وحیدہ رحمٰن کے ساتھ ممتاز نے اہم رول ادا کیا۔ اسی فلم میں ممتاز کو فلم فیئر میں Best Supporting Actress کے لیے نامزد کیا گیا۔ اس کے بعد اچانک ہی ممتاز کے پاس Offers کا انبار لگ گیا۔ لیکن تب بھی صرف Supporting Actress کی حیثیت سے ہی اس کی مانگ بڑھی۔ کئی فلموں میں انہوں نے شرمیلا ٹیگور اور دوسری کامیاب اداکاروں کی معاون کی حیثیت سے کام کیا، جیسے ساون کی گھٹا، یہ رات پھر نہ آئے گی اور میرے ہم دم میرے دوست۔ 1968 میں فلم برہمچاری

میں شمی کپور کے ساتھ ان کا ایک اور یادگار گیت اور بے باک ناچ مشہور ہوا۔ ''آج کل تیرے میرے پیار کے چرچے ہر زبان پر، سب کو معلوم ہے اور سب کو خبر ہوگئی۔'' اس دور میں شمی کپور سے ان کے معاشقے کے چرچے بھی عام تھے۔

1969 میں راج کھوسلہ کی زبردست فلم ''دوراستے'' منظر عام پر آئی اور بالآخر ممتاز کو ایک کامیاب ہیروئن کی حیثیت سے تسلیم کرلیا گیا۔ اس فلم میں راجیش کھنہ اور ممتاز کی جوڑی بہت مقبول ہوئی۔ اس فلم کے سبھی گانے مشہور ہوئے۔ اس دور کے بڑے ہیرو جیسے راجندر کمار اور ششی کپور ممتاز کے ساتھ کام کرنے سے انکار کرتے تھے چونکہ اس کی امیج ایک Stunt Actress کی تھی، لیکن فلم دوراستے کی کامیابی کے بعد وہی ہیرو ممتاز کو اپنی ہیروئن بنانے کی خواہش ظاہر کرنے لگے۔ چنانچہ راجندر کمار کے ساتھ فلم ''تانگے والا'' میں اور ششی کپور کے ساتھ فلم ''چور مچائے شور'' میں کام کیا اور دونوں فلمیں سپر ہٹ ہوئیں۔

ممتاز نے اپنے بارہ سالہ فلمی سفر میں 100 سے زیادہ فلموں میں کام کیا۔ 1970 میں آئی فلم ''کھلونا'' میں انہیں فلم فیئر Best Actress کا ایوارڈ ملا۔ 1977 میں بنی فلم ''آئینہ'' کے بعد انہوں نے فلموں سے کنارہ کشی اختیار کرلی۔ ان کی یادگار فلمیں 1960 کی دہائی میں بنی۔ استری، واللہ کیا بات ہے، صحرہ، رستم سہراب، مجھے جینے دو، گہرا داغ، فولاد، ایک راز، ویر بھیم سین، سیم سن، رستم روم، قوالی کی رات، ہرکولس، باغی، آندھی اور طوفان، ٹارزن کم ٹو دہلی، ٹارزن اینڈ کنگ کانگ، سن آف حاتم طائی، سکندر اعظم، رستم ہند، راکا، میرے صنم، خاندان، کاجل، جادوئی انگوٹھی، ہم دیوانے، دودل، باکسر، بے داغ، بہو بیٹی، یہ رات پھر نہ آئے گی، ساون کی گھٹا، ساز اور آواز، رستم کون، پیار کیے جا، پتی پتنی، لٹکا جھٹکا، جواں مرد، ڈاکو منگل سنگھ، دادی ماں، سورج، وہ کوئی اور ہوگا، رام اور شیام، پتھر کے صنم، ہم راز، دو دشمن، CID 909، چندن کا پالنا، بوند جو بن گئی موتی، بغداد کی راتیں، آگ، میرے ہمدم میرے دوست، جنگ اور امن، جہاں ملے دھرتی آکاش، Golden Eyes،

Secret Agent 077، گوری، برہمچاری، اپنا گھر اپنی کہانی، شرط، میرا یار میرا دشمن، میرا دوست، جگری دوست، دو راستے، بندھن، اپنا خون اپنا دشمن، آدمی اور انسان۔ 1970 کی دہائی میں بنی فلمیں سچا جھوٹا، پردیسی، کھلونا، ہمجولی، ہمت، ایک ننھی منی لڑکی تھی، بھائی بھائی، ماں اور ممتا، میلا، لڑکی پسند ہے، کٹھ پتلی، جوان محبت، ایک ناری ایک برہم چاری، دشمن، چاہت، اُپاسنا، تیرے میرے سپنے، ہرے راما ہرے کرشنا، تانگے والا، شرارت، پیار دیوانا، گومتی کے کنارے، دھڑکن، اپرادھ، اپنا دیش، روپ تیرا مستانہ، پیار کا رشتہ، بندھے ہاتھ، لوفر، جھیل کے اس پار، چور مچائے شور، آپ کی قسم، روٹی، پریم کہانی، لفنگے، آگ اور طوفان، ناگن اور آئینہ۔

ممتاز بیگم

ممتاز بیگم 7 اپریل 1923 کو ممبئی میں پیدا ہوئیں۔ وہ اپنے زمانے کی مشہور اداکارہ رہ چکی ہیں۔ اپنے فلمی سفر کا آغاز انہوں نے 1943 میں موہن سنہا کی فلم ''وکیل صاحب'' سے کیا اور 1986 تک تقریباً 73 فلموں میں کام کیا۔ اپنی زیادہ تر فلموں میں انہوں نے کسی کی ماں کا کردار ادا کیا۔ ''دو پھول، کالا بازار، برسات کی رات، چودھویں کا چاند، کانچ کی گڑیا، شمع، ترے گھر کے سامنے، میلا، لیلا مجنوں، لاوارث، رضیہ سلطانہ، رفو چکر، آپ آئے بہار آئی، امرت، جوالا مکھی، آتش، آخری ڈاکو، آدمی سڑک کا، داغ، دل دیوانہ، محبوب کی مہندی، نیل کمل، ضدی، اَن پڑھ، پنر ملن، نیلا آکاش، تیرے گھر کے سامنے، دل ہی تو ہے، آن ملو سجنا، مستانہ، پاسپورٹ، برسات کی رات، کلپنا، یاسمین، جاگرتی، جہیز، ساقی، غلامی، ناستک اور پرکھ فلموں کے نام اہم ہیں۔

ممتاز بیگم نے تقریباً 73 فلموں میں کام کیا اور بطور اداکارہ انہوں نے اپنی ایک انمٹ چھاپ چھوڑی۔ 1943 سے 1986 کے درمیان کے عرصے پر مبنی ان کی فلمی زندگی ہمیشہ احترام اور تعریف کی نظروں سے دیکھی جاتی رہی۔

ممتاز شانتی

ممتاز شانتی 1940 اور 1950 کی دہائی کی معروف فلم اداکارہ تھیں۔ انہوں نے کئی ہٹ فلموں میں کام کیا اور خوب شہرت پائی۔ ''گھر کی عزت'' میں انہوں نے شہرۂ آفاق فلم اسٹار دلیپ کمار کے ساتھ کام کیا۔ فلم ''قسمت'' میں انہوں نے اشوک کمار کے ساتھ کام کیا۔ اس فلم نے کامیابی کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ اس فلم نے نہ صرف یہ کہ خوب کمائی کی بلکہ اس کے تمام گانے بھی زبردست مقبول ہوئے۔

اپنے زمانے کی اس معروف اداکارہ نے بائیس فلموں میں کام کیا۔ 1942 سے 1952 کے درمیان ان کی ۲۱ فلمیں منظر عام پر آئیں اور خوب مشہور ہوئیں۔ ممتاز شانتی کی آخری فلم '' آکرمن'' تھی جو 1975 میں ریلیز ہوئی۔ اپنے فلمی کیریئر کی شروعات ممتاز نے فلم ''بسنت'' کے ساتھ کی تھی۔ یہ فلم 1942 میں منظر عام پر آئی۔

ممتاز شانتی نے جن فلموں میں کام کیا ان میں '' آکرمن'' (1975)، زمانے کی ہوا (1952)، آہوتی، بیوی اور پتلی (1950)، گھر کی عزت، ہیر رانجھا اور پدمنی (1946)، دیوانی اور دوسری شادی (1947)، دھرتی، مگدھ راج، پجاری اور شرون کمار (1946)، چاند چکوری (1945)، بھرت روہاری، لیڈی ڈاکٹر اور پگلی دنیا (1944)، بدلتی دنیا، سوال اور قسمت (1943) اور بسنت (1942) شامل ہیں۔

ممتاز شانتی کا انتقال پاکستان میں ہوا جہاں وہ گوشہ نشینی اختیار کیے ہوئے تھیں۔

منداکنی

منداکنی کی پیدائش اتر پردیش کے میرٹھ ضلع میں ہوئی تھی۔ 30 جولائی 1969 کو پیدا ہوئیں۔ منداکنی کا فلموں سے گہرا تعلق رہا ہے۔ انڈرورلڈ ڈان داؤد ابراہیم سے ان کے رشتوں اور دیگر تنازعات کے سبب وہ کافی سرخیوں میں رہیں۔ منداکنی کے والد ایک برطانوی نژاد تھے جب کہ والدہ ایک کشمیری مسلمان تھیں۔ 1985 میں راج کپور کی فلم ''رام تیری گنگا میلی'' سے ان کو شناخت کے ساتھ ساتھ کافی شہرت بھی ملی۔ اس فلم کے دو مناظر پر کافی تنازعہ ہوا۔ ایک سین میں منداکنی کو جھرنے میں نہاتے دکھایا گیا جس میں ان کے جسم کے بعض اعضاء صاف دکھائی دے رہے تھے، ایک اور سین جو کہ متنازعہ ہوا، اس میں منداکنی کو دودھ پلاتے دکھایا گیا تھا۔ ان مناظر پر ہونے والے زبردست تنازعہ کے کئی فلم ناقدین نے فلم ساز پر سوالوں کی بوچھار کی جب کہ راج کپور اخیر تک ان مناظر کے دفاع میں ڈٹے رہے۔

اس کے علاوہ منداکنی نے کئی اور فلموں میں بھی کام کیا جن میں متھن چکرورتی کے ساتھ ''ڈانس ڈانس'' اور گووندا کے ساتھ ''پیار کر کے دیکھو'' فلمیں شامل ہیں۔ 1994 میں کچھ تصاویر کے منظر عام پر آنے کے بعد منداکنی کے انڈرورلڈ ڈان داؤد ابراہیم کے ساتھ رشتوں کی خبروں کا بازار گرم ہوگیا۔ 1996 میں زوردار فلم کے بعد منداکنی پردے کے پیچھے چلی گئیں حالانکہ بعد میں انہوں نے دو (۲) میوزک البموں ''نو ویکنسی'' اور ''سنبھالا'' کے ذریعہ دوبارہ پہنچان بنانے کی کوشش کی مگر یہ کوشش بے نتیجہ ہی رہی۔

1990 میں منداکنی نے ڈاکٹر آر۔ٹھاکر سے شادی کرلی۔منداکنی نے جن فلموں میں کام کیا ان میں 1996 میں زوردار، 1991 میں دیش واسی، 1990 میں تقدیر کا تماشہ، پیار کے نام قربان، دشمن، جان وفا، نیا خون، شاندار، شیش ناگ، 1989 میں لڑائی، دیش کے دشمن، حساب خون کا، ناانصافی، جنگ باز، آخری بازی، کہاں ہے قانون، ناگ ناگن، 1988 میں اگنی، تہذیب، مالا مال، ہم تو چلے پردیس، کمانڈو، شورویر، جیتے ہیں شان سے، تیزاب، پیار محبت، 1987 میں پرم دھرم، حوالات، ڈانس ڈانس، پیار کرکے دیکھو، لوہا، اپنے اپنے، 1986 میں مظلوم، جال، آگ اور شعلہ، جیوا، اوم، سمہاسنم، 1985 میں رام تیری گنگا میلی، آر پار اور میرا ساتھی شامل ہیں۔

منور سلطانہ

منور سلطانہ ہندی فلموں کے پردے کا ایک جانا پہچانا چہرہ تھیں۔ انہوں نے بطور اداکارہ تو فلموں میں کام کیا ہی ساتھ ہی بطور فلمی گلوکارہ بھی انہوں نے اپنی ایک نمایاں شناخت پیدا کی۔ انہوں نے متعدد فلموں کے لئے پلے بیک سنگنگ کی۔

منور سلطانہ نے فلمی دنیا میں قدم 1947 میں رکھا۔ بطور اداکارہ اُس سال ان کی دو فلمیں منظر عام پر آئیں جن میں ایک ''درد'' اور دوسری ''اعلان'' تھی۔ ان دونوں ہی فلموں میں ان کی اداکاری کو پسند کیا گیا۔ 1948 میں بطور اداکارہ منور سلطانہ کی کوئی فلم نہیں آئی لیکن 1949 میں ان کی فلم ''کنیز'' آئی۔ اس فلم میں انہوں نے بہترین اداکاری کا مظاہرہ کیا، ان کی کارکردگی کو خوب پسند کیا گیا۔

بطور اداکارہ منور سلطانہ کی آخری فلم ''بابل'' ملتی ہے جو 1950 میں ریلیز ہوئی۔ اس فلم کو بھی حسب سابق پسند کیا گیا۔ منور سلطانہ نے تقسیم ہند کے بعد پاکستان جانے کا فیصلہ کیا۔

20 مئی 1995 کو منور سلطانہ لاہور میں انتقال کر گئیں۔ ہر چند کہ ان کی بطور اداکارہ صرف چار فلمیں ہی قابل ذکر ہیں لیکن ان کی اداکاری کا جلوہ ان فلموں سے ہی خوب ظاہر ہو گیا۔ بطور گلوکارہ ان کی گائیکی کو سراہا گیا۔ سرفروش کا گیت ''ایک چور ایک لٹیرا'' آج تک لوگوں کی زبان پر گردش کرتا ہے۔ شروعات میں منور سلطانہ نے کچھ پنجابی فلموں میں بھی بطور اداکارہ کام کیا تھا۔

مہتاب

مہتاب ایک مشہور فلم اداکارہ تھیں۔ ان کی فلمی زندگی کا پہلا اہم نام فلم ''شور سینک'' ہے۔ 1931 میں آئی یہ فلم کافی مقبول ہوئی تھی۔ اس سے اگلے برس 1932 میں فلم ''ویر کنال'' میں بھی انھوں نے قابل تعریف کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ 1933 میں فلم ''بھولا شکار'' اور فلم ''کرشن سداما'' میں وہ بہت پسند کی گئیں۔ اسی سال آنے والی فلم مس 1933 میں انھوں نے کشوری کا کردار ادا کیا۔ 1935 میں فلم ''لہیری جوان'' میں بھی وہ سراہی گئیں۔

1940 میں فلم قیدی، 1943 میں سنجوگ (جس میں انھوں نے بینا کماری کا کردار ادا کیا تھا)، 1946 میں فلم ساتھی اور 1952 میں فلم جھانسی کی رانی میں ان کی اداکاری بہت پسند کی گئی۔ مہتاب نے اپنے اکیس سالہ فلمی کیریئر میں کل دس فلموں میں کام کیا اور بے حد کامیاب رہیں۔

جب کبھی ہندی فلموں میں کام کرنے والی اداکاراؤں اور باصلاحیت خواتین کا ذکر ہوگا مہتاب کا نام ہمیشہ آتا رہے گا۔

میناشوری

میناشوری کا اصلی نام خورشید جہاں تھا۔ ان کے چار بہن بھائی تھے۔ ان کے والد پہلے تو ملتان میں مقیم تھے مگر بعد میں تلاش معاش انھیں لاہور تک لے آئی۔ بڑی بہن وزیر بیگم شادی کے بعد ممبئ منتقل ہوگئیں۔ وزیر بیگم نے بعد میں مینااوران کی والدہ کو بھی ممبئ بلوالیا۔ 1941 میں سہراب مودی فلم سکندر کے لئے کسی جواں سال اداکارہ کی تلاش میں تھے۔ اپنے زمانے کی خوبصورت اداکارہ نسیم پری چہرہ اس فلم کے لئے منتخب ہوئی تھیں لیکن وہ فلم میں کام کرنے سے معذور تھیں اس لئے بعد میں یہ کام میناشوری کو ملا۔ اس طرح مینا کی پہلی فلم ''سکندر'' بنی۔

میناشوری نے جن فلموں میں کام کیا ان میں الیگزنڈر دی گریٹ (1941)، پتھروں کا سوداگر (1944)، نیلم (1945)، زیورات (1949)، ایک تھی لڑکی (1949)، ڈھولک (1951)، عجیب لڑکی (1952)، ایک دو تین (1953)، آگ کا دریا (1953)، شریمتی 420 (1956)، سرفروش (1956)، مس 56 (1956)، بڑا آدمی (1957)، بیداری (1957)، ستاروں کی دنیا (1958)، جگا (1958)، آخری نشان (1958)، بچہ جمورا (1959)، گلشن (1959)، جمولا (1962)، اندھی محبت (1964)، جگری یار (1967)، امام دین گوہا دیا (1967)، ایک ہی ماں نا جو (1969)، ترانہ (1979) شامل ہیں۔

1989 میں انتہائی گمنامی کے دور سے گزر رہی مینا نے اپنی آنکھیں ہمیشہ کے لئے بند کرلیں۔ تقریباً چالیس برسوں تک فلمی اداکاری کی دنیا میں جس کی شہرت کا ڈنکا بجا وہ ادکارہ ایسے حالات میں دنیا سے گئی جب اس کا کوئی پرسان حال اس کے پاس نہ تھا۔ بطور اداکارہ ان کی نمایاں شناخت رہی اور آج بھی ان کی صلاحیتوں کا بارہا اعتراف ہوتا رہتا ہے۔

مینا کماری

مینا کماری کا اصلی نام مہ جبیں تھا۔ 1/ اگست 1933 میں پیدا ہوئیں اور 31 مارچ 1972 میں انتقال ہوا۔ ان کی والدہ اقبال بانو اور نانی اسٹیج پروگراموں سے جڑی ہوئی تھیں۔ ان کے والد علی بخش ہارمونیم بجاتے تھے۔ مینا کماری کی دو بڑی بہنیں خورشید جہاں اور مادھوری بھی رقص اور موسیقی کی ماہر تھیں۔ اس کے باوجود یہ خاندان بہت مفلوک الحال تھا۔ فلموں میں تھوڑا بہت کام ملتا تھا، جس سے بمشکل تمام گزر اوقات ہوتے تھے۔ اسی وجہ سے مہ جبیں کو بھی بچپن ہی سے اسکول بھیجنے کی بجائے فلموں میں کام کرنے پر مجبور کیا گیا۔ 6 سال کی عمر میں دگ وجے بھٹ کی پنجابی فلم ''کر جان دے وطن'' میں پہلی بار کام کیا اور اسی کے ساتھ زندگی بھر کے لیے وہ فلموں سے منسلک ہوگئیں۔ ایک کے بعد ایک فلمیں ملتی رہیں اور ایوارڈ کے بعد ایوارڈ کا انبار لگتا چلا گیا۔ بہترین اداکاری، مؤثر آواز، پرکشش شخصیت اور ماہرانہ رقص یہ تمام خوبیاں مینا کماری میں سمٹ آئی تھیں۔

بحیثیت Child Artist کے بے شمار فلمیں کی، جن میں انہیں ایک فلم کے لیے 16 روپے سے لے کر 80 روپے کے بیچ معاوضہ ملتا تھا۔ جوانی میں قدم رکھتے ہی ان کی فیس میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا اور فلم ''بیجو باورا'' کے لیے انہیں 14000 روپے دیے گئے۔ یہ فلم 1952 میں منظر عام پر آئی، جس نے پورے ہندوستان میں دھوم مچا دی اور مینا کماری کو شہرت کے آسمان پر پہنچا دیا۔ یہ پہلی فلم تھی جو لگاتار 100 ہفتے ایک ہی سنیما گھر میں چلتی رہی اور تمام شو ''ہاؤس فل'' رہے۔ اس فلم کے لیے مینا کماری کو فلم فیئر کا بہترین اداکارہ ایوارڈ ملا۔

اس تاریخی کامیابی کے بعد مینا کماری کی فیس اچانک کئی گنا بڑھ گئی اور پروڈیوسر انہیں ایک لاکھ روپے کی پیش کش کرنے لگے۔ اس کے بعد مینا کماری کی ہر فلم سپر ہٹ ہونے لگی۔ ان کی مشہور ترین فلموں میں ''دائرہ''، ''پرینیتا''، ''شاردہ''، ''ایک ہی راستہ''، ''آرتی''، ''دل اپنا اور پریت پرائی''، ''آزاد''، ''کوہِ نور''، ''صاحب بی بی اور غلام''، ''چھوٹی بہو''، ''میں چپ رہوں گی''، ''دل ایک مندر''، ''کاجل''، ''پھول اور پتھر''، ''فٹ پاتھ'' اور ''پاکیزہ'' ہیں۔ ان سبھی فلموں میں ان کی اداکاری بے مثل رہی اور ایک وقت ایسا آیا کہ انہیں Tragedy Queen کا خطاب مل گیا۔

جب وہ 20 سال کی تھیں تو اس وقت کسی بیماری میں ایک اسپتال میں داخل ہوئیں۔ وہاں مشہور پروڈیوسر ڈائریکٹر کمال امروہوی ان کی مزاج پرسی کو آئے۔ وہی وقت تھا جب وہ کمال صاحب کے عشق میں گرفتار ہوگئیں۔ دراصل اس پیشے میں رہ کر عشق کے مرض میں مبتلا ہو جانا کوئی حیرت کی بات نہیں۔ اس کے بعد مینا کماری نے اپنی عمر سے دوگنا بڑے شخص کمال امروہوی سے شادی کرلی۔ 13 سال کے طویل عرصے تک دونوں ساتھ رہے، پھر کچھ غلط فہمیاں اور شک وشبہات کی بنا پر دونوں میں دوریاں پیدا ہوگئیں۔ کمال امروہوی نے 1958 میں فلم ''پاکیزہ'' کی شروعات کی تھیں، جو کافی عرصے تک بند پڑی رہی اور مینا کماری کی زندگی میں غم کا اندھیرا چھانے لگا۔ انہوں نے نشے کا سہارا لیا اور اس میں ڈوبتی چلی گئیں۔ مینا کماری نے کبھی اسکول کا منہ نہیں دیکھا تھا، لیکن وہ شعروادب کا اعلیٰ ذوق رکھتی تھیں۔ میر اور غالب کو بہت پسند کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ کسی صاحب نے انہیں شراب کے نقصانات بتاتے ہوئے اس سے باز رہنے پر زور دیا تو انہوں نے غالب کا ایک شعر پڑھ کر ان کی زبان بند کردی۔

ناصحہ نار جہنم سے ڈراتا ہے مجھے
میں تو خود پگھلی ہوئی آگ پیا کرتا ہوں

کافی عرصے بعد کچھ اہم شخصیتوں کے کہنے پر فلم ''پاکیزہ'' دوبارہ بننا شروع ہوئی اور طلاق کے باوجود مینا کماری اس فلم میں کام کرنے کے لیے تیار ہو گئیں۔ بالآخر یہ فلم پوری ہوئی اور 4 رفروری 1972 میں پورے ہندوستان میں ایک ساتھ ریلیز ہوئی۔ اس کے چند ہی دنوں بعد 31 مارچ 1972 میں مینا کماری نے فلمی دنیا کے ساتھ ساتھ اس مادّی دنیا کو بھی الوداع کہہ دیا۔ ان کی موت نے فلم ''پاکیزہ'' کو ایک لافانی زندگی عطا کر دی۔

مینا کماری پیشے کے اعتبار سے ایک اداکارہ اور رقاصہ تھیں، لیکن ان کے سینے میں ایک درد مند شاعر کا دل دھڑکتا تھا اور انہیں اچھا کلام پڑھنے اور اچھے شعر کہنے کا سلیقہ بھی تھا۔ ان کے چند اشعار ہیں۔

ہاں کوئی اور ہوگا تو نے جو دیکھا ہوگا
ہم نہیں آگ سے بچ بچ کے گزرنے والے

ٹکڑے ٹکڑے دن بیتا، دھجی دھجی رات ملی
جتنا جس کا آنچل تھا، اتنی ہی سوغات ملی

ہنس ہنس کے جواں دل کے ہم کیوں نہ چنیں ٹکڑے
ہر شخص کی قسمت میں انعام نہیں ہوتا

چاند تنہا ہے، آسماں تنہا
دل ملا ہے کہاں کہاں تنہا
راہ دیکھا کرے گا صدیوں تک
چھوڑ جائیں گے یہ جہاں تنہا

ممیت خان

ممیت خان ہندوستانی فلم اداکارہ کے طور پر پہچان رکھتی ہیں۔انہوں نے ہندی کے علاوہ تیلگو،تامل اور کنڑ فلموں میں بھی کام کیا ہے۔

ممیت خان کو اصل شہرت فلموں میں ان کے آئٹم نمبروں سے حاصل ہوئی ہے۔ممیت خان جس وقت پیدا ہوئیں تب ان کا نام ممیت عبدالراشد خان تھا جو بعد میں فلموں میں ممیت خان کے طور پر پہچانا گیا۔ممیت خان کی والدہ کا نام حسینہ خان اور والد کا نام عبدالراشد خان ہے۔عبدالراشد خان ہندوستانی جب کہ حسینہ خان پاکستانی نژاد ہیں۔ممیت خان کی چار بہنیں بھی ہیں۔ان کی ایک بہن زبین خان نے بھی چند ایک تیلگو فلموں میں چھوٹا موٹا کام کیا ہے۔

ممیت خان جن فلموں میں نظر آئیں ان میں کانٹے (2002)،اسٹمپیڈ (2003)،منا بھائی ایم بی بی ایس (2003)، جولی (2004)،اسمبھو (2004)،ہلچل (2004)،دھڑکن (2005)،لکی (2005)،نشان (2005)، چاکلیٹ (2005)،دل جو بھی کہے (2005) ایک کھلاڑی ایک حسینہ (2005)، فائٹ کلب (2006)،رفتہ رفتہ (2006)، جادو چل گیا (2006)، بگ برادر (2007)، جرنی ممبئی ٹو گوا (2007) فن اور مستی (2007) راوڈی راٹھور (2012) وغیرہ فلمیں شامل ہیں۔اس کے علاوہ انہوں نے تقریباً 36 تیلگو 15 تامل اور 4 کنڑ فلموں میں بھی کام کیا ہے۔

ممیت خان کو ہندوستانی فلموں میں رقص کی ملکہ کہا جائے تو شاید بے جا نہ ہوگا۔

میرا (ارتضیٰ رباب)

میرا پاکستان فلم اداکارہ ہیں لیکن انہوں نے کئی ہندی فلموں میں بھی کام کیا ہے۔ میرا کی پیدائش لاہور میں ہوئی تھی۔ ان کی والدہ سیدہ شفقت زہرہ ہیں۔ دو بھائی اور دو بہنوں کی بہن میرا ارتضیٰ رباب سے زیادہ اپنی عرفیت ''میرا'' سے ہی پہچانی جاتی ہیں۔

میرا مہیش بھٹ کی فلم 'نظر'' میں بوسے دینے کے مناظر کے بعد تنقید کا نشانہ بنیں۔ میرا نے متعدد پاکستانی فلموں میں تو کام کیا ہی۔ انہوں نے پنجابی اور ہندی فلموں میں بھی اپنی موجودگی درج کرائی ہے۔ فلم میں ان کی شروعات 1995 کی اردو فلم ''میں اکیلی ہوں'' سے ہوئی۔ وہ پہلی مرتبہ 2004 میں ہندی سنیما میں فلم ''نظر'' میں نظر آئیں۔ اس فلم میں انہوں نے ''دِویا'' کا رول نبھایا تھا۔ 2005 میں فلم ''کسک'' میں وہ انجلی بنیں۔ 2009 میں فلم ''سمرن'' میں میرا نے سمرن کا کردار ادا کیا ہے۔ 2012 کی سائکو تھریلر فلم ''پانچ گھنٹہ میں پانچ کروڑ'' میں وہ سونیا کا کردار نبھا رہی ہیں۔

یہ متنازعہ اداکارہ تمام اختلافات اور تنقیدوں کے باوجود فلمی دنیا میں حسب معمول سرگرم ہے۔

مینو ممتاز (ملک النساء)

مینو ممتاز اپنے زمانے کے معروف ڈانسر اور اداکار ممتاز علی کی صاحبزادی ہیں۔ حالانکہ ممتاز علی کی شہرت فلم انڈسٹری میں کافی تھی لیکن ان کی کثرت شراب نوشی کے سبب فلم ساز انھیں فلموں میں کام دینے سے کتراتے تھے۔ فلم سازوں کو شبہ رہتا تھا کہ وہ کام وقت پر پورا نہ کرسکیں گے۔ اقتصادی حالات خراب ہونے کے سبب ممتاز علی نے اسٹیج شوکرنے شروع کردیے۔ اس کام میں ان کے معاون ان کے بیٹے محمود تھے۔ شراب نوشی کی عادت نے انھیں اس شعبہ میں بھی کامیاب نہ ہونے دیا۔ نشے میں دھت ہوکر جب وہ اسٹیج پر آتے تو بڑی بھد پٹتی اور اس طرح ان کا یہ کام بھی چلنا بند ہوگیا۔ ایسے کسمپرسی کے حالات میں ان کی صاحبزادی مینو ممتاز نے اسٹیج پر کام کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ ممتاز علی کو یہ علم تو تھا کہ مینو رقص کی شوقین ہے لیکن اس کا رقص سے لگاؤ جنون کی حد تک ہے اس کا اندازہ انھیں نہ تھا۔ اپنے والد ممتاز علی کے سامنے مینو نے آڈیشن دیا اور کامیاب ہوئیں۔ بعد میں ان کی ایک اور صاحبزادی خیر النساء اسٹیج گلوکاری کے لئے ممتاز علی کے ساتھ شامل ہوئیں اور اس کے بعد تیسری بیٹی بھی ان کے ساتھ شریک ہوئیں۔

اقتصادی حالات خراب ہوئے تو ملک النساء (مینو ممتاز) نے ذمہ داریاں سنبھالنے کا قصد کیا۔ انھوں نے اس وقت کے مشہور فلم ساز نانو وکیل سے ملاقات کی۔ نانو وکیل نے فلم ''سخی حاتم'' کے لئے انھیں فوراً سائن کرلیا۔

اس کے بعد ان کی بہت ساری فلمیں منظر عام پر آئیں جن میں سوسائٹی، غلام بیگم

بادشاہ، مس کوکا کولا، انجان اور زندگی کے میلے میں فلمیں خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

1956 میں آئی فلم ''بندھن'' کی شوٹنگ کے دوران مینا کماری نے ان سے کہا کہ 'اگر میں مینا ہوں تو تم مینو ہوٴ اور اس طرح مینو کا نام مینو ہو گیا۔

مینو کے کئی معاشقوں کی خبریں وقتاً فوقتاً عام ہوتی رہیں۔ انہوں نے انہیں میں سے ایک معشوق سید علی اکبر سے شادی کر لی۔ مینو ممتاز کے دو بچیاں ہوئیں جن کے نام گلناز اور شہناز رکھے گئے۔ بعد میں یہ پورا خاندان کویت چلا گیا جہاں انہوں نے ایک ریستوران کھولا اور اس کے بعد وہاں سے یہ لوگ کنیڈا جا بسے۔

نادرہ ببّر

فلم اداکارہ نادرہ ببّر فلموں کے علاوہ تھیئٹر کی دنیا میں بھی اپنی ایک پہچان رکھتی ہیں۔ نادرہ ببر کو 2011 میں سنگیت ناٹک اکیڈمی سے بھی اعزاز مل چکا ہے۔ نادرہ ببر نے ''ایکجٹ'' نام سے ایک معروف تھیٹر گروپ بنایا جو تھیٹر کی دنیا میں اپنی ایک خاص پہچان رکھتا ہے۔

نادرہ ببر معروف ترقی پسند ادیب سجاد ظہیر اور ان کی اہلیہ رضیہ سجاد ظہیر کی صاحبزادی ہیں۔ نادرہ اپنی چار بہنوں میں تیسرے نمبر پر ہیں۔ ان کی تین بہنیں نجمہ علی باقر، نسیم بھاٹیہ اور نور سجاد ظہیر ہیں۔ نادرہ کے والدین انجمن ترقی پسند مصنفین کے اکابر اراکین میں شمار کئے جاتے تھے۔

نادرہ نے دہلی کے نیشنل اسکول آف ڈرامہ سے 1971 میں گریجویشن کیا۔ نادرہ ایک اسکالرشپ پر جرمنی گئیں جہاں انھیں کئی بڑے فلم سازوں سے ملاقات کا موقع ملا۔

نادرہ نے اپنے باقاعدہ کیریئر کی شروعات ایکجٹ نامی تھیٹر گروپ سے کی۔ اس تھیٹر کے تحت ہی ''یہودی کی بیٹی'' نام کا ڈرامہ سامنے آیا۔ اس ڈرامہ میں پارسی تھیٹر اسٹائل کو بڑی حد تک اپنایا گیا تھا۔

ایکجٹ کی تیس سالہ تاریخ میں 60 سے زیادہ ڈرامے تیار ہوئے، جن میں سندھیا چھایا، بلّب پور کی روپ کتھا، بات لات کی حالات کی، شاباش انارکلی اور بیگم جان خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ نادرہ ببر نے خود بھی ڈرامے لکھے جن میں دیا شنکر کی ڈائری، سکّو بائی،

سُمن اور ثنا، ''جی جیسی آپ کی مرضی'' شامل ہیں۔

نادرہ ببر جس وقت نیشنل اسکول آف ڈرامہ میں ہی تھیں تبھی ان کی ملاقات راج ببر سے ہوئی اور انہوں نے بعد میں شادی کر لی۔ نادرہ اور راج ببر کے ایک بیٹا آریا ببر اور ایک بیٹی جوہی ببر ہیں۔ نادرہ ببر کی فلموں کے نام ہیں ''میناکشی'' (2004)، اور ''برائیڈ اینڈ پری جوڈائس'' (2004)۔

نازیہ حسین

بالی ووڈ کی نئی اداکاراؤں کی فہرست میں ایک نام نازیہ حسین بھی ہے۔ نازیہ کی فلم ''یہ جو محبت ہے'' اگست 2012 میں ریلیز ہوئی ہے۔ اس فلم میں نازیہ نے مرکزی کردار ادا کیا ہے۔ فلم میں بطور ہیرو ادتیہ سامنت نے کام کیا ہے۔

نازیہ حسین معروف فلم اداکارہ نرگس کے بھائی اختر حسین کی پوتی ہیں۔ نازیہ نے کئی خصوصی کلاسوں میں اداکاری کی تربیت حاصل کرنے کے بعد پہلی بار بطور اداکارہ فلم ''یہ جو محبت ہے'' میں کام کیا ہے۔ اس فلم کے بعد اسی سال 2012 میں ان کی ایک اور فلم بھی ریلیز ہونے جارہی ہے جس سے لوگوں کو کافی امیدیں ہیں۔ ''سے یس ٹولو'' نامی اس فلم میں نازیہ حسین مرکزی کردار میں ہیں۔ اس فلم کے ہدایت کار ماہ رخ مرزا ہیں۔

شری نارائن سنگھ کی فلم ''یہ جو محبت ہے'' سے نازیہ حسین نے فلمی دنیا میں اپنی حاضری درج کرائی ہے چونکہ اس فلم میں فریدہ جلال جیسے جانے پہچانے چہروں نے اداکاری کی ہے اس لئے امید کی جارہی ہے کہ نازیہ کا فلمی سفر طویل اور کامیابیوں سے پُر ہوگا۔

نرگس

1 جون 1929 میں پیدا ہوئیں۔ ان کے والد پہلے ہی سے فلموں میں ہرفن مولیٰ کی حیثیت سے کام کرتے تھے، وہ گلوکار بھی تھے، ڈانسر بھی تھے، ڈائریکٹر، موسیقار اور ایکٹر کے طور پر بھی کام کرتے تھے۔ ان کی والدہ جدن بائی اپنے دور کی معروف اداکارہ، ڈائریکٹر، پروڈیوسر، نغمہ نگار، گلوکارہ اور موسیقی کار بھی تھیں گھر میں فلمی ماحول کے باوجود نرگس کو اداکاری میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ بچپن میں نرگس ڈاکٹر بننے کا خواب دیکھا کرتی تھی لیکن ایک دن ان کی ماں جدن بائی نے ان سے کہا کہ کل تمہیں محبوب خان نے اسکرین ٹیسٹ پر بلایا ہے۔ نرگس نے سوچا اگر وہ اسکرین ٹیسٹ میں فیل ہو جائیں گی تب انہیں اداکارہ نہیں بننا پڑے گا۔ نرگس نے اسکرین ٹیسٹ کے دوران بے دلی سے ڈائیلاگ بولے اور سوچا کہ محبوب خان انہیں اسکرین ٹیسٹ میں فیل کر دیں گے۔ لیکن نرگس کو محبوب خان نے اپنی نئی فلم ''تقدیر'' کے لئے بطور اداکارہ منتخب کر لیا۔ جب وہ 6 سال کی تھیں تو انہیں 1935 میں فلم تلاش حق میں چائلڈ آرٹسٹ کے طور پر کام کرنے کا موقع ملا۔ تب انہیں بے بی نرگس کہا جاتا تھا۔ کئی فلموں میں کام کرنے کے بعد انہیں بڑا رول فلم ''تقدیر'' میں ملا۔ لیکن ان کی پہچان بنی فلم ''ہمایوں'' سے۔ 1949 میں محبوب خاں کی فلم ''انداز'' سپرہٹ ہوئی اور نرگس کا عروج بھی اسی فلم سے ہوا۔ یہ فلم اس دور کے دو سپر اسٹار دلیپ کمار اور راج کپور کے ساتھ نرگس کی اداکاری کا سنگِ میل ثابت ہوئی۔ یہ فلم ہندوستانی فلموں کی تاریخ میں بہترین داستانِ محبت مانی جاتی ہے۔ اس کے بعد دوسری زبردست فلم ''برسات'' سے نرگس کی

شہرت اور بھی بڑھ گئی۔ اس کے ساتھ ہی لگاتار ہٹ فلموں کا سلسلہ شروع ہو گیا اور نرگس ایک عظیم فن کارہ اور عمیق نسوانی جذبات کا اظہار کرنے والی اداکارہ کے روپ میں فلم ناظرین کی چہیتی بن گئی۔

نرگس کی مشہور فلمیں جوگن، میلا، بابل، دیدار، بے وفا، آوارہ، شری 420، چوری چوری، مدر انڈیا، کالا بازار، کھیل، پیار، جاگتے رہو، جان پہچان، رات اور دن وغیرہ ہیں۔ یہ وہ فلمیں ہیں جو ہندوستان کی تاریخ میں کبھی فراموش نہیں کی جاسکتی ہیں۔ نرگس وہ پہلی اداکارہ ہیں جنہیں پدم شری سے نوازا گیا۔

سال 1943 میں ریلیز فلم تقدیر کی کامیابی کے ساتھ ہی نرگس فلم انڈسٹری میں بطور اداکارہ اپنی شناخت بنانے میں کامیاب ہو گئی۔ فلم ''ہمایوں'' میں نرگس کو کام کرنے کا موقع ملا۔ سال 1949 نرگس کے سنے کیریئر میں اہم منزل ثابت ہوا۔ اس سال ان کی ''برسات'' اور ''انداز'' جیسی ہٹ فلمیں ریلیز ہوئی۔

محبت کے مثلث پر مبنی فلم ''انداز'' میں ان کے ساتھ دلیپ کمار اور راج کپور جیسے نامی اداکار تھے اس کے باوجود بھی نرگس ناظرین کی توجہ اپنی جانب مائل کرنے میں کامیاب رہی۔ سال 1950 سے 1954 تک کا وقت نرگس کے کیریئر کے لئے برا ثابت ہوا۔ اس دوران ان کی شیشہ، بے وفا، آشیانہ، انہونی 1952، شکست، گنہگار، دھن 1953، انگارے 1954، جیسی کئی فلمز باکس آفس پر ناکام ہو گئیں۔ لیکن سال 1955 میں ان کی راج کپور کے ساتھ شری 420 فلم ریلیز ہوئی جس کی کامیابی کے بعد وہ ایک بار پھر سے شہرت کی بلندیوں پر جا پہنچی۔ نرگس کے کیریئر میں ان کی جوڑی راج کپور کے ساتھ کافی پسند کی گئی۔ راج کپور اور نرگس نے سب سے پہلے فلم سال 1948 میں ظاہر فلم ''آگ'' میں ایک ساتھ اداکاری کی تھی۔ اس کے بعد نرگس نے راج کپور کے ساتھ بارش، انداز 1949، جان، شناخت، پیار 1950، آوارہ 1951 انہونی، آشیانہ، عنبر 1952، آہ، دھن، گنہگار 1953،

شری 1955420، جاگتے رہو، چوری چوری 1956 جیسی کئی فلموں میں بھی ایک ساتھ کام کیا۔ سال 1951 میں ظاہر فلم آوارہ کے تعمیر کے دوران نرگس کا جھکاؤ راج کپور کے ساتھ ہوگیا اور نرگس نے صرف راج کپور کی فلموں میں کام کرنے کا فیصلہ کیا۔ اتنا ہی نہیں نرگس نے محبوب خان کی فلم آن میں کام کرنے سے بھی منع کر دیا۔ سال 1955 میں ظاہر فلم شری 420 کے بارش میں ایک چھاتے کے نیچے فلمائے نغمے کی ایک منظر ''پیار ہوا اقرار ہوا'' میں نرگس اور راج کپور کے عشق کچھ اتنا حقیقت پر مبنی نظر آتا ہے جسے ناظرین شاید ہی کبھی بھلا سکیں۔

نرگس نے زیادہ تر فلمیں دلیپ کمار، راج کپور اور دیو آنند کے ساتھ کیں۔ راج کپور سے ان کے معاشقے کے قصے زیادہ مشہور ہوئے لیکن فلم مدر انڈیا کی شوٹنگ کے دوران ایک سیٹ پر آگ لگ جانے سے اور اس میں نرگس کے گھر جانے پر سنیل دت نے ان کی سچ مچ جان بچائی تھی۔ اس فلم میں سنیل دت ان کے بیٹے کا کردار نبھا رہے تھے۔ اس واقعہ سے وہ اتنی متاثر ہوئیں کہ 11 مارچ 1958 کو ان کی سنیل دت سے شادی ہوگئی اور یہ فلمی دنیا کی سب سے کامیاب ترین جوڑی مانی گئی۔ 1981 میں کینسر کے مرض میں مبتلا ہو کر وہ اس دنیا سے رخصت ہوئیں۔

نرگس کے حوالے سے شہرۂ آفاق اردو ادیب سعادت حسن منٹو کا یہ خاکہ قارئین کے ذوق کی تسکین کے لئے پیش کیا جا رہا ہے جو کہ ان کے خاکوں کے مجموعے ''گنجے فرشتے'' میں شامل ہے:

نرگس

(از سعادت حسن منٹو)

عرصہ ہوا۔ نواب چھتاری کی صاحب زادی تسنیم (مسز تسنیم سلیم) نے مجھے ایک

خط لکھا تھا:

''تو کیا خیال ہے آپ کا اپنے بہنوئی کے متعلق؟ وہ جو اندازہ آپ کی طرف سے لگا کر لوٹے ہیں تو مجھے اپنے لئے شادی مرگ کا اندیشہ ہوا جاتا ہے۔ اب میں آپ کو تفصیل سے بتادوں کہ یہ حضرت مجھے آپ کے نام سے چھیڑا کرتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ جب وہ میرے نادیدہ بھائی سے ملیں گے، تو نہ جانیں کیا کیا حماقتیں سرزد ہوں گی ...... اور مجھے شرمندگی ہوگی۔ اور اب پرسوں سے مُصر ہیں کہ بمبئی چل کر منٹو سے ملو۔ بہت ہی دلچسپ آدمی ہیں''۔ اور اس طرح کہتے ہیں۔ گویا منٹو میرے بجائے ان کا بھائی ہے۔ اور میں ہمیشہ سے کہتی تھی کہ دیکھنا یہ حضرت کیسے نکلتے ہیں ...... زبردستی تو ملاحظہ کیجیے ...... بہر حال بہت خوش ہیں کہ میرا انتخاب بہت خوب رہا ...... ہمارے برادرِ محترم یعنی ابن بھائی سلیم سے قبل ہی پہنچ گئے تھے۔ اور انہوں نے سب سے قبل یہی بات بتائی کہ وہ آپ سے نیاز حاصل کر کے آئے ہیں۔ نرگس کا ذکر عمداً گول کر کے باقی سب تفصیل سے بتا دیا۔ پھر جب سلیم آئے تو انہوں نے نہ صرف داستانِ جبہ سنائی بتائی بلکہ آپ کی اور نخشب کی جنگ کا واقعہ بھی دلچسپی سے بیان کیا۔ اس سلسلے میں سلیم معافی خواہ ہیں دوبارہ جدن بائی کے یہاں جانے کے محرک شمشاد بھائی (جو آپ سے مل چکے ہیں) وغیرہ تھے۔ اور ان سے ممکن ہوتا تو آپ سے علاوہ نہ جاتے اور یہ تو آپ بھی جانتے ہیں کہ سلیم کو اگر عشق ہوا ہے تو لیلا چٹنس سے ورنہ ایسے بدنظر بھی نہیں۔''

میں بہت مصروف تھا جب سلیم میرے یہاں آئے ان سے میری پہلی ملاقات تھی۔ اور بقول تسنیم کے وہ میرے بہنوئی تھے اس لئے ان کی خاطر داری کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ گھر میں جو حاضر تھا ان کو اور ان کے مصاحبوں کی خدمت میں پیش کر دیا۔ فلم سے متعلق لوگوں کے پاس ایک تحفے کی چیز ''شوٹنگ'' ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ بھی ان کو شری ساؤنڈ اسٹوڈیو میں دکھادی گئی۔ غالباً ''پھول'' تھی جسے ڈائرکٹر دھانسو یعنی آصف بنا رہا تھا۔

سلیم اور ان کے ساتھیوں کو بظاہر مطمئن ہو جانا چاہیئے تھا مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنا پروگرام بنا کر ممبئی پہنچے تھے۔ سلیم نے برسبیل تذکرہ مجھ سے پوچھا'' کیوں صاحب نرگس کہاں ہوتی ہے آج کل؟''

میں نے ازراہ مذاق کہا'' اپنی ماں کے پاس۔''

میرا مذاق غیر طبعی موت کی گود میں چلا گیا۔ جب میرے مہمانوں میں سے ایک نے بڑی نوابانہ سادہ لوحی سے کہا'' جدن بائی کے پاس؟''

''جی ہاں۔''

سلیم نے پوچھا'' کیا اس سے ملاقات ہو سکتی ہے...... میرا یہ مطلب ہے کہ میرے یہ دوست اس کو دیکھنے کے بہت مشتاق ہیں...... کیا آپ اس کو جانتے ہیں؟''

میں نے جواب دیا'' جانتا ہوں...... مگر معمولی سا۔''

ایک صاحب نے بڑے ڈھب انداز میں سوال کیا'' کیوں؟''

''اس لئے کہ اُسے اور مجھے ابھی تک کسی فلم میں اکٹھے کام کرنے کا موقعہ نہیں ملا۔''

سلیم نے یہ سن کر کہا'' تو چھوڑیئے .... ہم آپ کو خواہ مخواہ تکلیف دینا نہیں چاہتے۔''

لیکن میں خود نرگس کے ہاں جانا چاہتا تھا۔ کئی دفعہ ارادہ کیا مگر اکیلا جانا مجھے پسند نہیں تھا۔ ساتھ ملتا تو تھا مگر نہایت ہی بے ہودہ۔ یعنی دیدے پھاڑ پھاڑ کر گھورنے والا۔ اب موقعہ تھا آدمی سادہ لوح تھے۔ محض عیاشی کے طور پر نرگس کو ایک نظر دیکھنا چاہتے تھے تاکہ واپس اپنی جاگیروں اور ریاستوں میں جا کر اپنے دوستوں اور مصاحبوں کو مشہور فلم اسٹار نرگس کے چشم دید حالات سنائیں۔ چنانچہ میں نے سلیم سے کہا'' تکلیف کی کوئی بات نہیں۔ چلتے ہیں۔ ممکن ہے ملاقات ہو جائے۔

میں نرگس سے کیوں ملنا چاہتا تھا۔ بمبئی میں اتنی ایکٹرسیں تھیں جن کے ہاں میں جب

چاہتا آجا سکتا تھا مگر خاص طور پر نرگس سے ملنے کا کیا مطلب تھا؟ میرا خیال ہے اس کا جواب دینے سے پہلے میں آپ کو ایک دلچسپ واقعہ سنا دوں۔

میں فلمستان میں ملازم تھا۔ صبح جاتا تو شام کو آٹھ کے قریب لوٹتا۔ ایک روز اتفاق سے واپسی جلدی ہوئی یعنی میں دوپہر ہی کے قریب گھر پہنچ گیا، اندر داخل ہوا تو ساری فضا مرتعش نظر آئی جیسے کوئی ساز کے تار کو چھیڑ کر خود چھپ گیا ہے۔ ڈریسنگ ٹیبل کے پاس میری دو سالیاں کھڑی بظاہر اپنے بال گوندھ رہی تھیں۔ مگر ان کی انگلیاں ہوا میں چل رہی تھیں، ہونٹ دونوں کے پھڑ پھڑا رہے تھے مگر آواز نہیں نکلتی تھی۔ دونوں مل جل کر گھبراہٹ کی ایسی تصویر پیش کر رہی تھیں جو ایک گھبراہٹ چھپانے کی خاطر بے مطلب دوپٹہ اوڑھنے کی کوشش کر رہی ہو، ملحقہ کمرے کے دروازے کا پردہ اندر کی طرف دبا ہوا تھا۔

میں صوفے پر بیٹھ گیا۔ دونوں بہنوں نے ایک دوسرے کی طرف قصوروار نگاہوں کی طرح دیکھا۔ ہولے ہولے کھسر پھسر کی۔ پھر دونوں نے یک وقت کہا ''بھا جی سلام۔''

''وعلیکم السلام'' میں نے غور سے اُن کی طرف دیکھا ''کیا بات ہے؟''

میں نے سوچا کہ سب مل کر سنیما جا رہی ہیں۔ دونوں نے میرا سوال سن کر پھر کھسر پھسر کی پھر ایک دم کھلکھلا کر ہنسیں اور دوسرے کمرے میں بھاگ گئیں۔

میں نے سوچا کہ شاید انہوں نے اپنی کسی سہیلی کو مدعو کیا ہے۔ وہ آنے والی ہے اور چونکہ میں غیر متوقع طور پر جلد چلا آیا ہوں اس لئے ان کا پروگرام درہم برہم ہو گیا ہے۔

دوسرے کمرے میں کچھ دیر تک تینوں بہنوں میں سرگوشیاں ہوتی رہیں، دبی دبی ہنسی کی آوازیں بھی آتی رہیں۔ اس کے بعد سب سے بڑی بہن یعنی میری بیوی بظاہر اپنی بہنوں سے مخاطب، مگر دراصل مجھے سنانے کے لئے یہ کہتی ہوئی باہر نکلی ''مجھے کیا کہتی ہو۔ کہنا ہے تو خود اُن سے کہو...... سعادت صاحب آج بہت جلدی آ گئے؟''

میں نے وجہ بیان کر دی کہ اسٹوڈیو میں کوئی کام نہیں تھا اس لئے چلا آیا۔ پھر اپنی بیوی

سے پوچھا ''کیا کہنا چاہتی ہیں میری سالیاں؟''

''یہ کہنا چاہتی ہیں کہ نرگس آرہی ہے۔''

''تو کیا ہوا...... آئے۔ کیا وہ پہلے کبھی نہیں آئی۔''

میں سمجھا کہ وہ اُس پارسی لڑکی کی بات کر رہی ہے جس کی ماں نے ایک مسلمان سے شادی کر لی تھی اور ہمارے پڑوس میں رہتی تھی۔ مگر میری بیوی نے کہا ''ہائے! وہ پہلے کب ہمارے ہاں آئی ہے۔''

''تو یا وہ کوئی اور نرگس ہے؟''

''میں نرگس ایکٹریس کی بات کر رہی ہوں۔''

''میں نے تعجب سے پوچھا ''وہ کیا کرنے آرہی ہے یہاں؟''

میری بیوی نے مجھے سارا قصہ سنایا۔ گھر میں ٹیلیفون تھا جسے تینوں بہنیں فرصت کے اوقات میں بڑی فراخدلی سے استعمال کرتی تھیں۔ جب اپنی سہیلیوں سے باتیں کرتے کرتے تھک جاتیں تو کسی ایکٹرس کا نمبر گھما دیتیں وہ مِل جاتی تو اس سے اوٹ پٹانگ گفتگو شروع ہو جاتی ...... ہم آپ کی بہت مداح ہیں، آج ہی دلّی سے آئی ہوں۔ بڑی مشکلوں سے آپ کا نمبر حاصل کیا ہے آپ سے ملاقات کرنے کے لئے تڑپ رہی ہوں، ضرور حاضر ہوتیں مگر پردے کی پابندی ہے...... آپ بہت حسین ہیں چندے آفتاب چندے ماہتاب۔ گانا ماشاء اللہ بہت ہی سریلا ہے (حالانکہ ان کو معلوم ہوتا تھا کہ اس میں امیر بائی بولتی ہے یا شمشاد)۔

عام طور پر مشہور فلم ایکٹرسوں کے ٹیلی فون نمبر ڈائرکٹری میں درج نہیں ہوتے وہ خود نہیں کراتیں کہ اُن کے چاہنے والے بیکار تنگ نہ کریں مگر ان تین بہنوں نے میرے دوست خلش کاشمیری کے ذریعے سے قریب قریب ان تمام ایکٹرسوں کے فون نمبر معلوم کر لئے تھے جو انھیں ڈائرکٹری میں نہیں ملے تھے۔

اس ٹیلی فونی شغل کے دوران جب انہوں نے نرگس کو ملایا اور اس سے بات چیت کی تو بہت پسند آگئی۔ اس گفتگو میں ان کو اپنی عمر کی آواز سنائی دی چنانچہ چند گفتگوؤں ہی میں وہ اس سے بے تکلف ہوگئیں مگر اپنی اصلیت چھپائی رکھی۔ ایک کہتی میں افریقہ کی رہنے والی ہوں، وہی دوسری بار یہ بتاتی کہ لکھنؤ سے اپنی خالہ کے پاس آئی ہے۔ دوسری یہ ظاہر کرتی کہ وہ راولپنڈی کی رہنے والی ہے اور صرف اس لئے بمبئی آئی ہے کہ اُسے نرگس کو ایک بار دیکھنا ہے۔ تیسری یعنی میری بیوی کبھی گجراتن بن جاتی کبھی پارسن۔

ٹیلی فون پر کئی بار نرگس نے جھنجھلا کر پوچھا کہ تم لوگ اصل میں کون ہو۔ کیوں اپنا نام چھپاتی ہو۔ صاف صاف کیوں نہیں بتاتیں کہ یہ روز روز کی ٹن ٹن ختم ہو۔

ظاہر ہے کہ نرگس ان سے متاثر تھی اس کو یقیناً اپنے سینکڑوں مداحوں کے فون آتے ہوں گے۔ مگر یہ تین لڑکیاں ان سے کچھ مختلف تھیں اس لئے وہ سخت بے چین تھی کہ اُن کی اصلیت جانے اور اُن سے ملے جلے۔ چنانچہ جب بھی اُسے معلوم ہوتا کہ اُن پُراسرار لڑکیوں نے اُسے بلایا ہے تو وہ سو کام چھوڑ کر آتی اور بہت دیر تک ٹیلیفون کے ساتھ چپکی رہتی۔

ایک دن نرگس کے پیہم اصرار پر بالآخر طے ہوگیا کہ اُن کی ملاقات ہو کے رہے گی۔ میری بیوی نے اپنے گھر کا پتا اچھی طرح سمجھا دیا اور کہا کہ اگر پھر بھی مکان ملنے میں دقت ہو تو بائی کھلہ کے پل کے پاس کسی ہوٹل سے ٹیلی فون کر دیا جائے۔ وہ سب وہاں پہنچ جائیں گی۔

جب میں گھر میں داخل ہوا، بائی کھلہ پل کے ایک اسٹور سے نرگس نے فون کیا تھا کہ وہ پہنچ چکی ہے مگر مکان نہیں مل رہا۔ چنانچہ تینوں افراتفری کے عالم میں تیار ہو رہی تھیں کہ میں بلائے ناگہانی کی طرح پہنچ گیا۔

چھوٹی دو کا خیال تھا کہ میں ناراض ہوں گا بڑی یعنی میری بیوی بوکھلائی ہوئی تھی کہ یہ سب کیا ہوا ہے...... میں نے ناراض ہونے کی کوشش کی مگر مجھے اس کے لئے کوئی معقول

جواز نہ ملا۔ سارا قصّہ کافی دلچسپ اور بے حد معصوم تھا۔ اگر'' کان مچولی کی یہ حرکت صرف میری بیوی سے سرزد ہوئی ہوتی تو بالکل جدا بات تھی۔ ایک سالی آدھی گھر والی ہوتی ہے اور یہاں دو سالیاں تھیں پورا گھر ہی ان کا تھا میں جب اُٹھا تو دوسرے کمرے میں خوش ہونے اور تالیاں بجانے کی آوازیں بلند ہوئیں۔

بائی کھلّہ کے چوک میں جدّن بائی کی لمبی چوڑی موٹر کھڑی ہے۔ میں نے سلام کیا تو اُس نے حسب معمول بڑی بلند آواز میں اس کا جواب دیا اور پوچھا'' کہو منٹو کیسے ہو۔''

میں نے کہا'' اللہ کا شکر ہے...... کہیئے آپ یہاں کیا کر رہی ہیں۔''

جدّن بائی نے پچھلی نشست پر بیٹھی ہوئی نرگس کی طرف دیکھا'' کچھ نہیں بی بی کو اپنی سہیلیوں سے ملنا تھا مگر ان کا مکان نہیں مل رہا۔''

میں نے مسکرا کر کہا'' چلئے میں آپ کو لے چلوں۔''

نرگس یہ سُن کر کھڑکی کے پاس آگئی۔ آپ کو ان کا مکان معلوم ہے؟''

میں نے اور زیادہ مسکرا کر کہا'' کیوں نہیں...... اپنا مکان کون بھول سکتا ہے۔''

جدّن بائی کے حلق نے عجب سی آواز نکالی۔ پان کے بیڑے کو دوسرے کلّے میں تبدیل کرتے ہوئے'' یہ تم کیا افسانہ نگاری کر رہے ہو۔''

میں دروازہ کھول کر جدّن بائی کے پاس بیٹھ گیا۔'' بی بی! یہ افسانہ نگاری میری نہیں ہے، میری بیوی اور اُس کی بہنوں کی ہے۔'' اس کے بعد میں نے مختصراً تمام واقعات بیان کر دیئے نرگس بڑی دلچسپی سے سنتی رہی۔ جدّن بائی کو بہت کوفت ہوئی'' لاحول ولا...... یہ کیسی لڑکیاں ہیں۔ پہلے ہی دن کہہ دیا ہوتا کہ ہم منٹو کے گھر سے بول رہی ہیں...... خدا کی قسم میں فوراً بی بی کو بھیج دیتی۔ بھئی حد ہوگئی ہے اتنے دن پریشان کیا...... خدا کی قسم بے چاری بی بی کو اتنی الجھن ہوتی تھی کہ میں تم سے کیا کہوں جب ٹیلی فون آتا بھاگی بھاگی جاتی...... میں ہزار پوچھتی یہ کون ہے۔ جس سے اتنی دیر میٹھی میٹھی باتیں ہوتی ہیں مجھ سے کہتی

کوئی ہیں، جانتی نہیں کون ہیں، مگر ہیں بڑی اچھی۔ دو ایک بار میں نے بھی ٹیلی فون اٹھایا، گفتگو ماشاء اللہ بڑی شائستہ تھی۔ کسی اچھے گھر کی معلوم ہوتی تھیں۔ مگر معاف کرنا کم بخت اپنا نام پتا صاف بتاتی ہی نہیں تھیں۔ آج بے بی آئی خوشی سے دیوانی ہو رہی تھی۔ کہنے لگی بی بی انہوں نے بلایا ہے، اپنا ایڈریس دے دیا ہے، میں نے کہا، پاگل ہوئی ہو ہٹو جانے کون ہیں۔ کون نہیں ہیں۔ پر اس نے میری ایک نہ مانی بس پیچھے پڑ گئی چنانچہ مجھے ساتھ آنا ہی پڑا......خدا کی قسم اگر معلوم ہوتا کہ یہ آفتیں تمہارے گھر کی ہیں......''

میں نے بات کاٹ کر کہا ''تو ساتھ آپ نازل نہ ہوتیں۔''

جدن بائی کے کلّے میں دبے ہوئے پان میں چوڑی مسکراہٹ پیدا ہوئی ''اس کی ضرورت ہی کیا تھی......میں کیا تمہیں جانتی نہیں۔''

مرحومہ کو اردو ادب سے بڑا شغف تھا میری تحریریں بڑے شوق سے پڑھتی اور پسند کرتی تھیں۔ ان دنوں میرا ایک مضمون ''ساقی'' میں شائع ہوا تھا۔ غالباً ترقی یافتہ قبرستان معلوم نہیں اس کا ذہن کیوں اس طرف چلا گیا خدا کی قسم منٹو......بہت خوب لکھتے ہو۔ ظالم کیا طنز کیا ہے اس مضمون میں......کیوں بے بی اس دن کیا حال ہوا تھا میرا یہ مضمون پڑھ کر۔''

مگر نرگس اپنی نادیدہ سہیلیوں کے متعلق سوچ رہی تھی۔ اضطراب بھرے لہجہ میں اس نے اپنی ماں سے کہا ''چلو بی بی۔''

جدّن بائی مجھ سے مخاطب ہوئی ''چلو بھائی۔''

گھر پاس ہی تھا۔ موٹر اسٹارٹ ہوئی اور ہم پہنچ گئے اور بالکنی سے تینوں بہنوں نے ہمیں دیکھا۔ چھوٹی دو کا مارے خوشی کے بُرا حال ہو رہا تھا۔ خدا معلوم آپس میں کیا کھسر پھسر کر رہی تھیں۔ جب ہم اوراوپر پہنچے تو عجیب وغریب طریقے پر سب کی ملاقات ہوئی نرگس اپنی ہم عمر لڑکیوں کے ساتھ دوسرے کمرے میں چلی گئی اور میں میری بیوی اور جدّن بائی وہیں بیٹھ گئے۔

بہت دیر تک مختلف زاویوں سے کان مچولی کے سلسلے پر تبصرہ کیا گیا۔ میری بوکھلاہٹ جب کسی قدر کم ہوئی تو اُس نے میزبان کے فرائض سرانجام دینے شروع کر دئے۔

میں اور جدّن بائی فلم انڈسٹری کے حالات پر تبادلۂ خیالات کرتے رہے۔ پان کھانے کے معاملے میں بڑی خوش ذوق تھی۔ ہر وقت اپنی پندنیا ساتھ رکھتی تھی۔ بڑی دیر کے بعد موقعہ ملا تھا اس لئے میں نے اس پر خوب ہاتھ صاف کیا۔

نرگس کو میں نے ایک مدت کے بعد دیکھا تھا۔ دس گیارہ برس کی بچی تھی جب میں نے ایک دو مرتبہ فلموں کی نمائش عظمیٰ میں اُسے اپنی ماں کی انگلی کے ساتھ لپٹی دیکھا تھا۔ چندھیائی ہوئی آنکھیں بے کشش سالمبوترا چہرہ۔ سوکھی سوکھی ٹانگیں ایسا معلوم ہوتا تھا سو کے اُٹھی ہے یا سونے والی ہے مگر اب وہ ایک جوان لڑکی تھی۔ عمر نے اُس کی خالی جگہیں پُر کر دی تھیں مگر آنکھیں ویسی کی ویسی تھیں۔ چھوٹی اور خواب زدہ...... بیمار بیمار...... میں نے سوچا اس رعایت سے اس کا نام نرگس موزوں و مناسب ہے۔

طبیعت میں نہایت ہی معصوم کھلنڈرا پن تھا۔ بار بار اپنی ناک پونچھتی تھی جیسے ازلی زکام کی شکار ہے۔ برسات میں اس کو اداکارہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے، مگر اس کے اداس اداس چہرے سے صاف عیاں تھا کہ وہ اپنے اندر کردار نگاری کا جوہر رکھتی ہے۔ ہونٹوں کو کسی قدر کھینچ کر بات کرنے اور مسکرانے میں گو بظاہر ایک بناوٹ تھی مگر صاف پتا چلتا تھا کہ یہ بناوٹ سنگار کا روپ اختیار کر کے رہے گی۔ آخر کرداری کی بنیادیں بناوٹ ہی پر استوار ہوتی ہیں۔

ایک بات جو خاص طور پر میں نے محسوس کی وہ یہ ہے کہ نرگس کو اس بات کا کامل احساس تھا کہ وہ ایک دن بہت بڑی اسٹار بننے والی ہے مگر یہ دن قریب تر لانے اور اُسے دیکھ کر خوش ہونے میں اسے کوئی عجلت نہ تھی۔ اس کے علاوہ اپنے لڑکپن کی ننھی منّی وسیاں گھسیٹ کر بڑی بڑی بے ہنگم خوشیوں کے دائرے میں نہیں لے جانا چاہتی تھی۔

تینوں ہم عمر لڑکیاں دوسرے کمرے میں جو باتیں کر رہی تھیں ان کا دائرہ گھر اور کنونٹ کی چار دیواری تک محدود تھا۔ فلم اسٹوڈیو میں کیا ہوتا ہے، رومانس کیا بلا ہے، اس سے ان کو کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ نرگس بھول گئی تھی کہ وہ فلم اسٹار ہے، پردے پر جس کی ادائیں بکتی ہیں اور اس کی سہیلیاں بھی یہ بھول گئی تھیں کہ نرگس اسکرین پر بُری بُری حرکتیں کرنے والی ایکٹرس ہے۔

میری بیوی جو عمر میں نرگس سے بڑی تھی اب اس کی آمد پر بالکل بدل گئی تھی۔ اس کا سلوک اس سے ایسا ہی تھا جیسا اپنی چھوٹی بہنوں سے تھا۔ پہلے اُس کو نرگس سے اس لئے دلچسپی تھی کہ وہ فلم ایکٹرس ہے پردے پر بڑی خوبی سے نت نئے مردوں سے محبت کرتی ہے، ہنستی ہے آہیں بھرتی ہے، کڈکڑے لگاتی ہے، اب اسے خیال تھا کہ وہ کھٹی چیزیں نہ کھائے، بہت ٹھنڈا پانی نہ پیئے، زیادہ فلموں میں کام نہ کرے، اپنی صحت کا خیال رکھے۔ اب اس کے نزدیک نرگس کا فلموں میں کام کرنا کوئی معیوب بات نہیں تھی۔

میں، میری بیوی اور جدن بائی ادھر ادھر کی باتوں میں مشغول تھے کہ آپا سعادت آگئیں۔ میری ہم نام ہیں اور بڑی دلچسپ چیز ہیں۔ تصنع سے لاکھوں میل دور...... حسب معمول وہ اس اندازہ سے آئیں کہ جدّن بائی سے ان کو متعارف کرانے کا ہمیں موقعہ ہی نہ ملا۔ اپنے دو ڈھائی من کے بوجھ کو صوفے پر ہلکا کرتے ہوئے بولیں ''صفو جان! تمہارے بھائی جان سے میں نے لاکھ کہا تھا کہ ایسی مردار موٹر نہ خریدو...... مگر انہوں نے نہ سنی...... دو قدم چلی ہوگی کہ ہانپنے لگی اور کھڑی ہوگئی۔ اب کھڑے ہینڈل مار رہے ہیں میں نے کہا آپ جایئے، میں تو صفو کے پاس بیٹھتی ہوں۔''

جدّن بائی غالباً کسی نواب کی بات کر رہی تھیں جو بہت عیاش تھا آپا سعادت کی وجہ سے یہ بات مکمل نہ ہو سکی۔ جب پھر شروع ہوئی تو آپا سعادت نے بھی اس میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ کاٹھیاواڑ کے قریب قریب تمام ریاستوں اور ان کے نوابوں کو وہ اچھی طرح

جانتی تھیں کیونکہ ریاست مانگرول کے نوابی خاندان میں بیاہی گئی تھیں۔

جدّن بائی اپنے پیشے کی وجہ سے تمام والیانِ ریاست کو اچھی طرح جانتی پہچانتی تھیں۔ باتوں باتوں میں ایک بڑی ریاست خورقسم کی طوائف کا ذکر چھڑ گیا۔ آپا سعادت شروع ہوگئیں ''خدا ان سے محفوظ رکھے جس کے ساتھ چمٹتی ہیں۔ اس کو دین کا رکھتی ہیں نہ دنیا کا۔ دولت برباد، صحت برباد، عزت برباد، صفو جان میں تمہیں کیا بتاؤں، سو بیماروں کی ایک بیماری ہے یہ طوائف......''

میں اور میری بیوی سخت پریشان کہ آپا سعادت کو کیسے روکیں۔ جدّن بائی بڑی فراخدلی سے آپا سعادت کی ہاں میں ہاں ملا رہی تھی اور ہم دونوں پسینہ پسینہ ہوئے جا رہے تھے ایک دو بار میں نے اُن کو روکنے کی کوشش کی مگر وہ اور زیادہ جوش میں آگئیں۔ جی بھر کے گالیاں دینے لگیں۔ لیکن یک لخت انہوں نے جدّن بائی کی طرف دیکھا ان کے سفید گوشت بھرے چہرے پر ایک عجیب وغریب تھرتھری پیدا ہوئی۔ ان کی ناک کی کیل کا ہیرا گردن کی جنبش کے ساتھ دو تین دفعہ بڑی تیزی سے چمکا اور پھر اُن کا منہ کھلا۔ زور سے اپنی رانوں پر دو ہتڑ مار کر انہوں نے تتلائے ہوئے لہجے میں جدّن بائی سے کہا ''آپ......؟ آپ تو جدّن...... آپ جدّن بائی ہیں نا؟''

جدّن بائی نے بڑی متانت سے جواب دیا 'جی ہاں!''

آپا سعادت کا منہ اور زیادہ کھلا......اوہ......تو آپ......میرا مطلب ہے کہ آپ تو بہت اونچی طوائف ہیں...... کیوں صفو جان؟'' صفو جان برف ہوگئی۔ میں نے جدن بائی کی طرف دیکھا اور مسکرایا............ میرا خیال ہے بہت ہی واہیات قسم کی مسکراہٹ تھی۔ جدن بائی نے یوں ظاہر کیا جیسے کوئی بات ہی نہیں ہوئی اور اُس بڑی ریاست خورقسم کی طوائف کے بقیہ حالات بیان کرنے شروع کر دئے جس کا ذکر چھیڑنے پر آپا سعادت کو لکچر دینا پڑا ہے۔

جدن بائی کی کوشش کے باوجود بات نہ جمی۔ آپا سعادت کو اپنی غلطی کا اور ہمیں اپنی خفت کا بہت ہی شدید احساس تھا مگر جب لڑکیاں آ گئیں تو فضا کا تکدّر دور ہو گیا۔ ادھر ادھر کی باتوں کے بعد نرگس سے فرمائش کی گئی کہ وہ گانا سنائے۔ اس پر جدّن بائی نے کہا ''میں نے اس کو موسیقی کی تعلیم نہیں دی موہن بابو اس کے خلاف تھے اور سچ پوچھئے تو مجھے بھی پسند نہیں تھا۔ تھوڑا بہت ٹوں ٹاں کر لیتی ہے''۔ اس کے بعد وہ اپنی بیٹی سے مخاطب ہوئی ''سنا دو بی بی...... جیسا بھی آتا ہے سنا دو۔''

نرگس نے بڑی ہی معصومانہ بے تکلفی سے گانا شروع کر دیا...... پرلے درجے کی کن سُری تھی آواز میں رس نہ لوچ، میری چھوٹی سالی اُس سے لاکھوں درجے بہتر گاتی تھی مگر فرمائش کی گئی تھی اور وہ بھی بڑی پُر اصرار اس لئے دو تین منٹ تک اس کا گانا برداشت کرنا ہی پڑا۔ جب اُس نے ختم کیا تو سب نے تعریف کی۔ میں اور آپا سعادت خاموش رہے تھوڑی دیر کے بعد جدّن بائی نے رخصت چاہی۔ لڑکیاں نرگس سے گلے ملیں۔ دوبارہ ملنے کے وعدے وعید ہوئے۔ کچھ کھُسر پھُسر بھی ہوئی اور ہمارے مہمان چلے گئے۔

نرگس سے یہ میری پہلی ملاقات تھی۔

اس کے بعد اور کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ لڑکیاں ٹیلی فون کرتی تھیں اور نرگس اکیلی موٹر میں چلی آتی تھی۔ اس آمد و رفت میں اس کے ایکٹرس ہونے کا احساس قریب قریب مٹ گیا۔ وہ لڑکیوں سے اور لڑکیاں اُس سے یوں ملتی تھیں جیسے وہ ان کی بہت پرانی سہیلی ہے یا کوئی رشتہ دار ہے لیکن جب وہ چلی جاتی تو کبھی کبھی تینوں بہنیں اس سے استعجاب کا اظہار کرتیں۔ خدا کی قسم عجیب بات ہے کہ نرگس بالکل ایکٹرس معلوم نہیں ہوتی۔

اس دوران میں تینوں بہنوں نے اس کی ایک تازہ فلم دیکھی جس میں ظاہر ہے کہ وہ اپنے ہیرو کی محبوبہ تھی جس سے وہ پیار کی باتیں کرتی تھی اور اُسے عجیب و جیب نگاہوں سے دیکھتی تھی اس کے ساتھ لگ کر کھڑی ہوتی تھی اس کا ہاتھ دباتی تھی۔ میری بیوی کہتی ''کم

بخت اُس کے فراق میں کیسی لمبی لمبی آہیں بھر رہی تھی۔ جیسے سچ مچ اُس کے عشق میں گرفتار ہے اور اُس کی چھوٹی دو بہنیں اپنے کنوارے ایکٹنگ سے نا آشنا دلوں میں سوچتیں ''اور کل وہ ہم سے پوچھ رہی تھی کہ گڑ کی ٹوفی کیسے بنائی جاتی ہے۔''

نرگس کی اداکاری کے متعلق میرا خیال بالکل مختلف تھا وہ قطعی طور پر جذبات و احساسات کی صحیح عکاسی نہیں کرتی تھی۔ محبت کی نبض کس طرح چلتی ہے یہ اناڑی انگلیاں کیسے محسوس کرسکتی تھیں، عشق کی دوڑ میں تھک کر ہانپنا اور اسکول کی دوڑ میں تھک کر سانس کا پھول جانا دو مختلف چیزیں ہیں۔ میرا خیال ہے کہ خود نرگس بھی اس کے فرق سے آگاہ نہیں تھی۔ اس کی شروع شروع کی فلموں میں چنانچہ دقیقہ رس نگاہیں فوراً معلوم کرسکتی ہیں کہ اس کی اداکاری یکسر فریب کاری سے معرّا تھی۔

تصنع کا یہ کمال ہے کہ وہ تصنع معلوم نہ ہو۔ لیکن نرگس کے تصنع کی بنیادیں چونکہ تجربے پر استوار نہیں تھیں اس لئے اس میں یہ خوبی نہیں تھی۔ یہ صرف اس کا خلوص تھا وہ بے پناہ خلوص جو اسے اپنے شوق سے تھا کہ وہ جذبات و احساسات کے نہایت ہی خام اظہار کے باوجود اپنا کام نبھا جاتی تھی عمر اور تجربے کے ساتھ ساتھ وہ بہت پختگی اختیار کرچکی ہے اب اس کو عشق کی دوڑ ہو اور اسکول کی ایک میل کی دوڑ میں تھک کر ہانپنے کا فرق معلوم ہے اب تو اس کو سانس کے ہلکے سے ہلکے زیر و بم کا نفسیاتی پس منظر بھی معلوم ہے۔

یہ بہت اچھا ہوا کہ اس نے اداکاری کی منازل آہستہ آہستہ طے کیں اگر وہ ایک ہی جست میں آخری منزل پر پہنچ جاتی تو اہل ذوق فلم بینوں کے صناعانہ جذبات کو بہت ہی گنوار قسم کا صدمہ پہنچتا اور اگر لڑکپن کے زمانے میں پردے سے الگ زندگی میں بھی وہ ایکٹرس بنی رہتی اور اپنی عمر کو عیار بزازوں کے گز سے ناپ کر دکھاتی۔ تو میں اس صدمے کی تاب نہ لا کر یقیناً مر گیا ہوتا۔

نرگس ایسے گھرانے میں پیدا ہوئی تھی کہ اس کو لامحالہ ایکٹرس بننا ہی تھا............

جدّن بائی کے گلے میں بڑھاپے کا گھنگھرو بول رہا تھا۔ اس کے دو بیٹے تھے مگر اس کی ساری توجہ بے بی نرگس پر مرکوز تھی اس کی شکل وصورت معمولی تھی ۔ گلے میں سُر کی پیدائش کا بھی کوئی امکان نہیں تھا مگر جدّن بائی جانتی تھی کہ سُر مستعار لیا جاسکتا ہے اور معمولی شکل و صورت میں اندرونی روشنی سے، جسے جوہر کہتے ہیں، دلکشی پیدا کی جاسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُس نے جان مار کر اس کی پرورش کی اور کانچ کے نہایت ہی نازک اور چھوٹے چھوٹے ذرے جوڑ جوڑ کر اپنا درخشاں وتاباں خواب پورا کیا۔

جدّن بائی تھی۔ اس کی ماں تھی .... موہن بابو تھا، بے بی نرگس تھی، اس کے دو بھائی تھے۔ اتنا بڑا کنبہ تھا جس کا بوجھ صرف جدن بائی کے کندھوں پر تھا۔ موہن بابو ایک بڑے رئیس زادہ تھے جدّن بائی کے گلے کی تانوں اور مرکیوں میں ایسے الجھے کہ دین دنیا کا ہوش نہ رہا۔ خوبصورت تھے، صاحب ثروت تھے، تعلیم یافتہ تھے، صحت مند تھے مگر یہ سب دولتیں جدّن بائی کے در پر مفلس اور گداگر بن گئیں۔ جدّن بائی کے نام کا اُس زمانے میں ڈنکا بجتا تھا۔ بڑے بڑے نواب اور راجے اس کے مجروں پر سونے اور چاندی کی بارش برساتے تھے مگر جب بارشیں تھم جاتیں اور آسمان نکھر جاتا تو جدّن بائی اپنے موہن کو اُٹھا کر سینے سے لگالیتی کہ اسی موہن کے پاس اس کا مَن تھا۔

موہن بابو تادم آخر جدّن بائی کے ساتھ تھے وہ ان کی بہت عزت کرتی تھی۔ اس لئے کہ وہ راجوں اور نوابوں کی دولت میں غریبوں کے خون کی بو سونگھ چکی تھی اس کو اچھی طرح معلوم تھا کہ اُن کے عشق کا دھارا ایک ہی سمت نہیں بہتا۔ وہ موہن بابو سے محبت کرتی تھی کہ وہ اُس کے بچوں کا باپ تھا۔

خیالات کی رو میں جانے کدھر بہہ گیا۔ نرگس کو بہرحال ایکٹرس بننا تھا چنانچہ وہ بن گئی۔ اس کے بامِ عروج تک پہنچنے کا راز جہاں تک میں سمجھتا ہوں اس کا خلوص ہے جو قدم بہ قدم، منزل بہ منزل اس کے ساتھ رہا ہے۔

ایک بات جوان ملاقاتوں میں خاص طور سے میں نے محسوس کی وہ یہ ہے کہ نرگس کو اس بات کا احساس تھا کہ جن لڑکیوں سے وہ ملتی ہے وہ جدا قسم کے آب وگل سے بنی ہیں وہ ان کے پاس آتی تھی ، گھنٹوں ان سے معصوم معصوم باتیں کرتی تھی مگر وہ اُن کو اپنے گھر مدعو کرنے میں ایک عجیب قسم کی جھجک محسوس کرتی تھی اس کو شاید یہ ڈر تھا کہ وہ اس کی دعوت ٹھکرا دیں گی یہ کہیں گی کہ وہ اس کے یہاں کیسے جا سکتی ہیں میں ایک دن گھر پر موجود تھا کہ اس نے سرسری طور پر اپنی سہیلیوں سے کہا ''اب کبھی تم بھی ہمارے گھر آؤ۔''

یہ سُن کر تینوں بہنوں نے بڑے ہی بھونڈے پن سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا وہ شاید یہ سوچ رہی تھیں کہ ہم نرگس کی یہ دعوت کیسے قبول کر سکتی ہیں لیکن میری بیوی چونکہ میرے خیالات سے واقف تھی اس لئے ایک روز نرگس کے پیہم اصرار پر اُس کی دعوت قبول کر لی گئی اور مجھے بتائے بغیر تینوں اُس کے گھر چلی گئیں۔

نرگس نے اپنی کار بھیج دی تھی جب وہ بمبئی کے خوبصورت ترین مقام میرین ڈراؤ کے اُس فلیٹ میں پہنچیں جہاں نرگس رہتی تھی تو انہوں نے محسوس کیا کہ ان کی آمد پر خاص انتظامات کئے گئے تھے۔ موہن بابو اور اُس کے دونو جوان لڑکوں کو منع کر دیا گیا تھا کہ وہ گھر میں داخل نہ ہوں۔ کیونکہ نرگس کی سہیلیاں آرہی ہیں۔ مرد نوکروں کو بھی اس کمرے میں آنے کی اجازت نہیں تھی جہاں ان معزز مہمانوں کو بٹھا دیا گیا تھا خود جدّن بائی تھوڑی دیر کے لئے رسمی طور پر ان کے پاس بیٹھی اور اندر چلی گئی۔ وہ ان کی معصوم گفتگوؤں میں حارج نہیں ہونا چاہتی تھی۔

تینوں بہنوں کا بیان ہے کہ نرگس ان کی آمد پر پھولی نہ سماتی تھی وہ اس قدر خوش تھی کہ بار بار گھبرائی جاتی تھی۔ اپنی سہیلیوں کی خاطر داری میں اس نے بڑے جوش کا اظہار کیا۔ پاس ہی ہیر ژین ڈیری تھی اس کے ملک شیک مشہور تھے، گاڑی میں جا کر نرگس خود یہ مشروب جگ میں تیار کرا کے لائی کیونکہ وہ یہ کام نوکر کے سپرد کرنا نہیں چاہتی تھی اس لئے

کہ پھر اس کے اندر آنے کا احتمال تھا۔

خاطر داری کے اس جوش و خروش میں نرگس نے اپنے نئے سیٹ کا گلاس توڑ دیا۔ مہمانوں نے افسوس کا اظہار کیا تو نرگس نے کہا ''کوئی بات نہیں بی بی غصے ہوں گی مگر ڈیڈی ان کو چپ کرا دیں گے اور معاملہ رفع دفع ہو جائے گا۔''

موہن بابو کو اس سے اور اس کو موہن بابو سے، بہت محبت تھی۔

''ملک شیک'' پلانے کے بعد نرگس نے مہمانوں کو اپنا البم دکھایا جس میں اس کے مختلف فلموں کے اسٹل تھے۔ اُس نرگس میں جو اُن کو یہ فوٹو دکھا رہی تھی اور اس نرگس میں جو ان تصویروں میں موجود تھی کتنا فرق تھا۔ تینوں بہنیں کبھی اس کی طرف دیکھتیں اور کبھی البم کے اوراق کی طرف اور اپنی حیرت کا یوں اظہار کرتیں۔

''نرگس۔ تم یہ نرگس کیسے بن جاتی ہو۔''

نرگس جواب میں صرف مسکرا دیتی۔

میری بیوی نے مجھے بتایا کہ گھر میں نرگس کی ہر حالت، ہر ادا میں الھڑ پن تھا۔ اس میں وہ تھا۔ اُس میں وہ شوخی، وہ طرازی، وہ تیکھا پن نہیں تھا جو اس کے سراپا میں پردے پر نظر آتا ہے وہ بڑی ہی گھریلو قسم کی لڑکی تھی میں نے خود ہی محسوس کیا تھا۔ لیکن جانے کیوں اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں مجھے ایک عجیب و غریب قسم کی اداسی تیرتی نظر آتی تھی جیسے کوئی لاوارث لاش۔ تالاب کے ٹھہرے پانی پر ہوا کے ہلکے ہلکے جھونکوں سے ارتعاش پذیر ہے۔

یہ قطعی طور پر طے تھا کہ شہرت کی جس منزل پر نرگس کو پہنچنا تھا وہ کچھ زیادہ دور نہیں تھا۔ تقدیر اپنا فیصلہ اس کے حق میں کر کے تمام متعلقہ کاغذات اس کے حوالے کر چکی تھی لیکن پھر وہ کیوں مغموم تھی کیا غیر شعوری طور پر وہ یہ محسوس تو نہیں کر رہی تھی کہ عشق و محبت کا یہ مصنوعی کھیل کھیلتے کھیلتے ایک دن وہ کسی ایسے لق و دق صحرا میں نکل جائے گی جہاں سراب ہی سراب ہوں گے، پیاس سے اُس کا حلق سوکھ رہا ہوگا اور آسمان پر چھوٹی چھوٹی بدلیوں کے تھنوں

میں صرف اس لئے دودھ نہیں اُترے گا کہ وہ یہ خیال کریں گے کہ نرگس کی پیاس محض بناوٹ ہے زمین کی کوکھ میں پانی کی بوندیں اور زیادہ اندر کو سمٹ جائیں گی اس خیال سے کہ اُس کی پیاس صرف ایک دکھاوا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خود نرگس بھی یہ محسوس کرنے لگے کہ میری پیاس کہیں جھوٹی پیاس تو نہیں۔

اتنے برس گزر جانے پر میں اب اُسے پردے پر دیکھتا ہوں تو مجھے اس کی اداسی کچھ مضمحل سی نظر آتی ہے۔ پہلے اس میں ایک مستعد جستجو تھی لیکن اب یہ جستجو بھی اداس اور مضمحل ہے۔ کیوں......؟ اس کا جواب خود نرگس ہی دے سکتی ہے۔

تینوں بہنیں چونکہ چوری چوری نرگس کے ہاں گئی تھیں اس لئے وہ زیادہ دیر تک اس کے پاس نہ بیٹھ سکیں۔ چھوٹی دو کو یہ اندیشہ تھا کہ ایسا نہ ہو مجھے اس کا علم ہو جائے چنانچہ انہوں نے نرگس سے رخصت چاہی اور واپس گھر آ گئیں۔

نرگس کے متعلق وہ جب بھی بات کرتیں گھوم پھر اس کی شادی کے مسئلے پر آ جاتیں۔ چھوٹی دو کو یہ جاننے کی خواہش تھی کہ وہ کب اور کہاں شادی کرے گی۔ بڑی جس کی شادی ہوئے پانچ برس ہو چکے تھے، یہ سوچتی تھی کہ شادی کے بعد وہ ماں کیسے بنے گی۔

کچھ دیر تک میری بیوی نے نرگس سے اس خفیہ ملاقات کا حال چھپائے رکھا آخر ایک روز بتا دیا۔ میں نے مصنوعی خفگی کا اظہار کیا۔ تو اس نے سچ سمجھتے ہوئے مجھ سے معافی مانگی اور کہا '' واقعی ہم سے غلطی ہوئی۔ مگر خدا کے لئے اب آپ اس کا ذکر کسی سے نہ کیجئے گا۔''

وہ چاہتی تھی کہ بات مجھ ہی تک رہے۔ ایک ایکٹرس کے گھر جانا تینوں بہنوں کے نزدیک بہت معیوب بات تھی۔ وہ اس 'حرکت' کو چھپانا چاہتی تھیں چنانچہ جہاں تک مجھے معلوم ہے اس کا ذکر انہوں نے اپنی ماں سے بھی نہیں کیا تھا حالانکہ وہ بالکل تنگ خیال نہیں تھی۔

میں اب تک نہیں سمجھ سکا کہ ان کی وہ حرکت حرکتِ مذموم کیوں تھی۔ اگر وہ نرگس کے ہاں گئی تھی تو اس میں برائی ہی کیا تھی۔ اداکاری معیوب کیوں سمجھی جاتی ہے۔ کیا ہمارے

اپنے خاندان کے حلقے میں ایسے افراد نہیں ہوتے، جن کی ساری عمر فریب کاریوں اور طمع کاریوں میں گزر جاتی ہے۔ نرگس نے تو اداکاری کو اپنا پیشہ بنایا تھا۔ اس نے اس کو راز بنا کر نہیں رکھا تھا۔ کتنا بڑا فریب جس میں یہ لوگ مبتلا رہتے ہیں۔

اس مضمون کے آغاز میں میں نے ایک خط کا کچھ حصہ نقل کیا ہے جو مجھے تسنیم سلیم نے لکھا تھا۔ اب اس کی طرف لوٹتا ہوں۔ دراصل ساری بات ہی اسی سے چلی تھی۔

چونکہ مجھے نرگس کو اس کے گھر میں ملنے کا اشتیاق تھا، اس لئے میں مصروف رہنے کے باوجود مسٹر سلیم اور ان کے مصاحبوں کے ساتھ میرین ڈرائو چل پڑا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ میں فون کے ذریعے سے جدّن بائی کو اپنی آمد سے مطلع کر دیتا اور یہ بھی معلوم کر لیتا کہ نرگس فارغ بھی ہے یا نہیں۔ لیکن میں عام زندگی میں بھی چونکہ ایسے تکلفات کا قائل نہیں، اس لئے بغیر اطلاع دیے وہاں جا دھمکا۔ جدن بائی باہر برآمدے میں بیٹھی سروتے سے چھالیا کاٹ رہی تھی مجھے دیکھا تو بلند آواز میں کہا "اوہ منٹو...... آؤ...... بھائی آؤ...... پھر نرگس کو آواز دی۔ بے بی...... تمہاری سہیلیاں آئی ہیں۔"

میں نے قریب جا کر اُسے بتایا کہ میرے ساتھ سہیلیاں نہیں "سہیلے ہیں"۔ جب میں نے نواب چھتاری کے داماد کا ذکر کیا تو اس کا لہجہ بدل گیا "بلالو انھیں"۔ نرگس دوڑی دوڑی آئی، تو اسے کہا "تم اندر جاؤ بے بی۔ منٹو صاحب کے دوست آئے ہیں۔"

جدّن بائی نے میرے دوستوں کی کچھ اس انداز سے آؤ بھگت کی جیسے وہ مکان دیکھنے اور پسند کرنے آئے تھے۔ وہ بے تکلفی جو میرے لئے مخصوص تھی، غائب ہو گئی۔ بیٹھو تشریف رکھیے میں تبدیل ہو گیا۔ کیا پیو گے، کیا نوش فرمایئے گا بن گیا۔ تم آپ ہو گیا اور میں خود کو چغد محسوس کرنے لگا۔

میں نے اپنی اور اپنے دوستوں کی آمد کا مدّعا بیان کیا، تو جدّن بائی نے بڑے ہی پر تصنع انداز میں مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے میرے ساتھیوں سے کہا "بے بی سے ملنا

چاہتے ہیں...... کیا بتاؤں کئی دنوں سے غریب کی طبیعت ناساز ہے۔ دن رات کی شوٹنگ نے اُسے بے حد مضمحل کر دیا ہے۔ بہت منع کرتی ہوں کہ ایک روز آرام کرلو۔ مگر شوق ایسا ہے کہ نہیں سنتی محبوب نے بھی کہا کہ بیٹا کوئی حرج نہیں۔ تم ریسٹ کرلو۔ میں شوٹنگ بند کر دیتا ہوں مگر نہ مانی...... آج میں نے زبردستی روک لیا...... زکام سے نڈھال ہو رہی ہے۔ غریب!''

یہ سن کر میرے دوستوں کو ظاہر ہے بہت مایوسی ہوئی۔ نرگس کی ایک جھلک وہ ٹیکسی میں بیٹھے بیٹھے دیکھ چکے تھے اور اس کو مستقل طور پر دیکھنے کے لئے بے تاب تھے۔ جب ان کو معلوم ہوا کہ بے بی کی طبیعت ناساز ہے تو انھیں بڑی کوفت ہوئی۔ جدن بائی ادھر ادھر کی باتیں کئے جاتی تھی جن سے ان کو کوئی دلچسپی نہ تھی۔ میں صاف دیکھ رہا تھا کہ وہ تھوڑی دیر کے بعد جمائیاں لینے لگیں گے اور مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ نرگس کی ناسازیٔ طبیعت کا بہانہ محض رکھی ہے چنانچہ میں نے جدّن بائی سے کہا ''بے بی کو زحمت تو ہوگی مگر یہ اتنی دور سے آئے ہیں، ذرا بلا لیجئے۔''

اندر تین چار مرتبہ کہلوانے کے بعد نرگس آئی۔ سب نے اٹھ کر تعظیماً اسے سلام کیا۔ میں بیٹھا رہا۔ نرگس کا داخلہ فلمی تھا، اس کا سلام کا جواب دینا فلمی تھا اس کا بیٹھنا اٹھنا فلمی تھا۔ اس کی گفتگو فلمی تھی۔ جیسے سیٹ پر مکالمے بول رہی ہو۔

اور میرے ساتھیوں کے سوال جواب بڑے ہی توابانہ قسم کے اوٹ پٹانگ تھے۔

''آپ سے مل کر بڑی مسرت ہوئی۔''

''جی ہاں آج ہی بمبئی پہنچے ہیں۔''

''کل پرسوں واپس چلے جائیں گے۔''

''آپ ماشاء اللہ اس وقت ہندوستان کی چوٹی کی اداکارہ ہیں۔''

''آپ کے ہر فلم کا ہم نے پہلا شو دیکھا ہے۔''

یہ تصویر جو آپ نے دی ہے میں اسے اپنے البم میں لگاؤں گا۔"

اس دوران میں موہن بابو بھی آگئے مگر وہ خاموش بیٹھے رہے۔ کبھی کبھی اپنی بڑی بڑی خوبصورت آنکھیں گھما کر ہم سب کو دیکھ لیتے اور پھر خدا جانے کس سوچ میں غرق ہو جاتے۔

سب سے زیادہ باتیں جدّن بائی نے کیں۔ ان میں اس نے ملاقاتیوں پر بڑے واضح الفاظ میں ظاہر کر دیا کہ وہ ہندوستان کے ہر راجے اور ہر نواب کو اندر باہر سے اچھی طرح جانتی ہے۔ نرگس نے جتنی باتیں کیں بہت مختصر اور بناوٹ سے بھرپور تھیں۔ اس کی ہر حرکت اور ہر ادا سے یہ صاف مترشح تھا کہ وہ اپنے ملنے والوں کو یہ چیزیں پلیٹ میں ڈال کر بڑے تکلف سے پیش کر رہی ہے تا کہ وہ اس کا شکریہ ادا کریں۔ وہ دلی طور پر ممنون و متشکر تھے مگر اس امتنان و تشکر سے نرگس متشفی نہیں تھی۔ وہ غالباً جواب میں تصنع ہی کی طالب تھی۔

یہ ملاقات کچھ بہت ہی پھیکی رہی میرے لئے بھی اور میرے ساتھیوں کے لئے بھی میری موجودگی میں وہ کھل کر احمقانہ باتیں نہیں کر سکتے تھے اور میں ان کی موجودگی کے باعث بہت ہی تکلیف دہ گھٹن محسوس کرتا رہا تھا۔ بہر حال نرگس کا دوسرا رنگ دیکھنا دلچسپی سے خالی نہیں تھا۔

سلیم اپنے دوستوں کے ساتھ دوسرے روز پھر نرگس کے ہاں گئے۔ اس کی اطلاع انہوں نے مجھے نہ دی۔ میرا خیال ہے اس ملاقات کا رنگ کچھ اور ہی ہوگا۔ نخشب کے ساتھ جس جنگ کا ذکر تسنیم نے اپنے خط میں کیا ہے وہ مجھے بالکل یاد نہیں ہو سکتا ہے کہ وہ اُس وقت وہاں موجود ہوں۔ کیونکہ جدن بائی کو شعر و شاعری سے بڑی دلچسپی تھی اور بمبئی کے اکثر شعرا اپنا کلام سنانے کے لئے وہاں جایا کرتے تھے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نخشب سے ان کی شاعری ہی پر اختلاف رائے کے باعث ہلکی سی چخ ہو گئی ہو۔

نرگس کا ایک اور دلچسپ رنگ میں نے اس وقت دیکھا جب اشوک میرے ساتھ تھا۔

جدّن بائی کوئی اپنا ذاتی فلم تیار کرنے کا ارادہ کررہی تھی اس کی خواہش تھی کہ اشوک اس کا ہیرو ہو۔ اشوک حسب عادات اکیلا جانے سے گھبراتا تھا چنانچہ وہ مجھے اپنے ساتھ لے گیا۔

دورانِ گفتگو میں کئی نکتے تھے۔ کاروباری نکتے، دوستانہ نکتے، خوشامدی نکتے۔ یہ نکتے بڑے ہی دلچسپ طریقے پر آپس میں گڈمڈ ہوتے رہے۔ جدن بائی کا انداز کبھی بزرگانہ ہوتا تھا اور کبھی ہم عصرانہ۔ وہ کبھی پروڈیوسر بن جاتی اور کبھی نرگس کی ماں۔ ایسی ماں جو اپنی بیٹی کی قدر و قیمت بڑھانا چاہتی ہے۔ موہن بابو سے کبھی کبھی ہاں میں ہاں ملاتی جاتی تھی۔

لاکھوں روپے کا ذکر آیا۔ وہ جو خرچ ہو چکے تھے، خرچ ہونے والے تھے اور جو خرچ کیے جاچکے تھے۔ سب کا حساب انگلیوں پر گنوایا گیا۔ نرگس کا یہ انداز تھا کہ دیکھو اشوک، مانتی ہوں کہ تم منجھے ہوئے ایکٹر ہو، تمہاری دھاک بیٹھی ہوئی ہے مگر میں بھی کسی طرح کم نہیں۔ تم مان جاؤ گے کہ میں اداکاری کے میدان میں تمہارا مقابلہ کرسکتی ہوں۔ چنانچہ اس کی تمام کوششیں اس نقطہ پر مرکوز تھیں۔ اس کے علاوہ کبھی کبھی اس کے اندر عورت بھی بیدار ہو جاتی تھی اس وقت وہ اشوک سے یہ کہتی معلوم ہوتی ''تم پر ہزاروں لڑکیاں فریفتہ ہیں لیکن میں اسے کیا سمجھتی ہوں، میرے بھی ہزاروں چاہنے والے موجود ہیں۔ یقین نہ آئے تو کسی مرد سے پوچھ لو''۔ اور ساتھ ہی ساتھ اس چیلنج کی ہلکی سی جھلک بھی ہوتی۔ ہوسکتا ہے تم ہی مجھ پر مرنا شروع کردو۔''

اور جدّن بائی کبھی مصالحت کی طرف جھک جاتی کہ نہیں، اشوک تم اور بے بی دونوں پر دنیا مرتی ہے۔ اسی لئے تو میں چاہتی ہوں کہ تمھیں ایک ساتھ پیش کروں تاکہ ایک قتل عام ہو، اور ہم سب خوب فائدہ اٹھائیں۔ کبھی کبھی وہ ایک اور انداز اختیار کرلیتی اور مجھ سے مخاطب ہوتی۔

''منٹو، اشوک اتنا بڑا ایکٹر بن گیا ہے لیکن خدا کی قسم بہت ہی نیک آدمی ہے۔ بڑا کم گو بڑا ہی شرمیلا۔ خدا عمر دراز کرے۔ میں جو فلم شروع کررہی ہوں اس میں اشوک کے

لئے خاص طور پر میں نے کیریکٹر لکھوایا ہے۔تم سنو گے تو خوش ہو جاؤ گے۔"

میں یہ کیریکٹر سنے بغیر ہی خوش تھا۔ اس لئے کہ جدن بائی کا کیریکٹر خود بہت ہی دلچسپ تھا اور نرگس جو رول ادا کر رہی تھی وہ تو اور بھی زیادہ دلچسپ تھا۔ میرا خیال ہے اگر پردے پر وہ حالات پیش کئے جاتے اور اس سے کہا جاتا کہ اشوک سے مل کر تمھیں ایسی گفتگو کرنا ہے تو وہ کبھی اتنی کامیاب نہ ہوتی جتنی کہ وہ اس وقت تھی۔

باتوں باتوں میں ثریا کا ذکر آیا تو جدن بائی نے ناک بھوں چڑھا کر اس میں اور سارے کے سارے خاندان میں کیڑے ڈالنے شروع کر دئے۔ ثریا کی عیب جوئی وہ ایک فرض کے طور پر کرتی تھی۔ اس کا گلا خراب ہے، بے سُری ہے، بے استادی ہے، دانت بڑے واہیات ہیں۔ ادھر ثریا کے ہاں جاؤ تو نرگس اور جدن بائی پر عمل جراحی شروع ہو جاتا تھا۔ ثریا کی نانی جو حقیقت میں اس کی ماں تھی حقے کے بُقّے اڑا اڑا کر دونوں کو خوب کوستی تھی۔ نرگس کا ذکر آتا تو وہ بڑا سا منہ بنا کر میراثنوں کے انداز میں جگت کرتی، منہ دیکھو جیسے گلا سڑا پپیتا ہوتا ہے۔

موہن بابو کی خوبصورت اور بڑی بڑی آنکھیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مند چکی ہیں۔ جدن اپنے دل کی بقیہ حسرتیں اور تمنائیں لئے منوں مٹی کے نیچے دفن ہے، اس کی بے بی، نرگس تصنع اور بناوٹ کے آخری زینے پر پہنچ کر معلوم نہیں اور اوپر دیکھ رہی ہے یا اس کی اداس اداس آنکھیں نیچے سب سے پہلے زینے کو دیکھ رہی ہیں جب اس نے گھٹنیوں چلنا سیکھا تھا۔ وہ خیرہ کن روشنی میں تاریک ترین سائے کی تلاش میں ہے۔ یا تاریک ترین سائے میں روشنی کی کی ننھی سی کرن ٹٹول رہی ہے؟ روشنی اور سائے کا تانا بانا ہی زندگی ہے اور اس تانے بانے کی عکاسی فلمی زندگی جس میں کبھی ایسا پیچ، ایسا خم بھی آجاتا ہے، جب روشنی روشنی رہتی ہے نہ سایہ سایہ!

نرگس فاخری

نرگس فاخری نے حالانکہ ابھی تک صرف ایک ہی فلم میں کام کیا ہے لیکن وہ اکلوتی فلم ہی انھیں مشہور کردینے کے لئے کافی تھی۔ وہ فلم ہے ''راک اسٹار''۔ نرگس فاخری دراصل ایک امریکی نژاد ماڈل اور فلم اداکارہ ہیں۔ نرگس کی پیدائش امریکہ میں ہی 20 اکتوبر 1979 کو ہوئی تھی۔ ان کا ددھیال پاکستان کا ہے۔ اس وقت نرگس کی عمر چھ یا سات برس رہی ہوگی جب ان کے والدین میں علیحدگی ہوگئی۔

کھانا بنانے اور یوگا کرنے کی شوقین اداکارہ نرگس فاخری نے امتیاز علی کی فلم راک اسٹار کے ذریعہ ہندی کی فلمی دنیا میں قدم رکھا۔ اس فلم کے ہیرو رنبیر کپور تھے۔ 11 نومبر 2011 کو ریلیز ہونے والی یہ فلم بہت کامیاب رہی اور اسی فلم نے راتوں رات نرگس فاخری کو ملک کے طول وعرض میں مشہور کردیا۔ اس فلم نے نرگس فاخری کو ایک ایسی اداکارہ کی پہچان دی ہے۔ جس میں صلاحیتیں کوٹ کوٹ کر بھری ہیں۔

راک اسٹار میں نرگس فاخری نے ایک کشمیری لڑکی کا کردار نبھایا ہے جو دہلی کے ایک کالج میں زیر تعلیم ہے۔ اس لڑکی پر ایک مست موٹی لڑکا (رنبیر کپور) عاشق ہے۔ جس سے پہلے پہل تو نرگس کو چڑ ہے اور بعد میں پیار ہو جاتا ہے۔

راک اسٹار میں ہیر کول کا کردار نبھانے کے لئے انھیں خوب داد و تحسین ملی۔ فلمی ناقدین نے بھی نرگس کے کام کی خوب تعریف کی اور امید ظاہر کی ہے کہ سینما کے افق پر ان کے نام کا ستارہ بہت دنوں جگمگائے گا۔

نسرین

نسرین تقسیم ہند سے پہلے کی اپنی دو فلموں کے سبب مشہور ہوئی تھیں۔ ان کا اصلی نام زرینہ آغا تھا۔ نسرین کی والدہ انوری بیگم مشہور فلم اداکارہ تھیں۔ نسرین کے والد رفیق غزنوی فلم اداکار اور میوزک ڈائریکٹر تھے۔ نسرین نے جن دو مشہور ہندی فلموں میں کام کیا ان میں 1946 میں آئی فلم ''شاہ جہاں'' اور اس کے ایک سال بعد یعنی 1947 میں آئی فلم ''ایک روز'' شامل ہیں۔

قیام پاکستان کے بعد نسرین نے ہجرت کی اور کراچی میں جا بسیں۔ کراچی میں ہی قالینوں کے ایک مالدار تاجر سے نسرین نے شادی کر لی۔

نسرین کی دو بہنوں میں سے ایک ظاہرہ نے فلم ہدایات کار اور اسکرپٹ رائٹر ضیا سرحدی سے شادی کی جب کہ دوسری بہن شاہنہ نے پاکستانی فلموں میں اداکاری کی۔

نسرین کی دونوں مشہور فلموں کو خوب پسند کیا گیا۔ شاہ جہاں (1946) میں نسرین کے ساتھ کے ایل سہگل نے بطور اداکار کام کیا تھا۔ نوشاد کی موسیقی سے سجی اس فلم کو مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس فلم کے گانے مجروح سلطانپوری نے لکھے تھے۔ یہیں سے مجروح کے فلمی کیریئر کا آغاز ہوا تھا۔

گیتا آرٹ کے بینر تلے بننے والی فلم ''ایک روز'' (1947) کے ہدایت کار داؤد چاند تھے۔ اس فلم میں نسرین کا کام لوگوں نے سراہا اور ان کی شناخت ایک منجھی ہوئی اداکارہ کی بن گئی۔

پاکستان جانے کے بعد نسرین نے فلموں میں کام نہیں کیا۔ نسرین کی بیٹی سلمیٰ آغا بعد میں فلمی دنیا کا ایک جانا پہچانا چہرہ بنیں۔ نسرین کا انتقال 2004 میں ہو گیا۔

نسیم بانو

نسیم بانو کی پیدائش 4 جولائی 1916 اور انتقال 18 جولائی 2000 کو ہوا۔ وہ اپنے زمانے کی انتہائی حسین خاتون تھیں۔ جن کے رقص اور اداؤں کے چرچے دور دور تک مشہور تھے۔ بڑے بڑے نوابین ان کی قربت پانے کے لئے بے قرار رہتے تھے۔ ان کی والدہ شمشاد بیگم عرف چھمیا بائی بھی اپنے دور کی عظیم رقاصہ رہی ہیں۔ نسیم بانو نے نوعمری میں ہی فلموں میں قدم رکھا۔ اپنی خوبصورت اداؤں اور دلکش انداز سے بہت جلد مشہور ہو گئیں۔ ان کی کچھ بے مثال فلمیں ہندوستانی سنیما کی تاریخ میں اہم مقام رکھتی ہیں۔ جن میں پکار، نغمہ، سندھباد، میں ہاری، چل چل رے نوجوان، بیگم، انوکھی ادا، چاندنی رات، شیش محل، عجیب لڑکی، شبستان، باغی، نوشیرواں عدال، نواب سراج الدولہ، وغیرہ آج بھی فلم نقادوں کے ذہن میں موجود ہیں۔ نسیم بانو کی پہچان سائرہ بانو کی ماں اور دلیپ کمار کی ساس ہونے کی بنا پر زیادہ نمایاں ہوئی۔

سعادت حسن منٹو نے ''گنجے فرشتے'' میں نسیم پر 'پری چہرہ نسیم' کے عنوان سے ایک سیر حاصل خاکہ رقم کیا ہے جسے یہاں نقل کیا جا رہا ہے:

پری چہرہ نسیم بانو

(از سعادت حسن منٹو)

میرا فلم دیکھنے کا شوق امرتسر ہی میں ختم ہو چکا تھا۔ اس قدر فلم دیکھے تھے کہ اب ان

میں میرے لئے کشش ہی نہ رہی تھی۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جب میں ہفتہ وار مصور کو ایڈٹ کرنے کے سلسلے میں بمبئی پہنچا تو مہینوں کسی سینما کا رخ نہ کیا۔ ہر فلم کا پاس مل سکتا تھا۔ مگر طبیعت ادھر راغب نا تھی بمبئی ٹاکیز کا ایک فلم ان دنوں اچھوت کنیا ایک سینما میں ہفتوں سے چل رہا تھا۔ جب اس کی نمائش کا بائیسواں ہفتہ شروع ہوا تو میں نے سوچا اس فلم میں کیا ہے جو اتنی دیر سے چل رہا ہے۔ دیکھنا چاہئے۔

بمبئی میں یہ میرا پہلا فلم تھا۔ میں نے اس میں پہلی مرتبہ اشوک کمار اور دیوکا رانی کو دیکھا، اشوک کمار کا ایک ٹنگ خام تھا مگر دیوکا رانی کا کام منجھا ہوا تھا۔ فلم مجموعی طور پر کامیاب تھا۔ ایک خاص بات جو میں نے نوٹ کی تھی کہ اس میں سوقیانہ پن نہیں تھا۔ ایک سیدھی سادی کہانی تھی جو بڑے صاف ستھرے انداز میں پیش کی گئی تھی، میں نے اب گاہے گاہے فلم دیکھنے شروع کر دئے۔

ان دنوں ایکٹرسوں میں ایک ایکٹرنسیم بانو خاص مشہور تھی۔ اس کی خوبصورتی کا بہت چرچا تھا۔ اشتہاروں میں اسے پری چہرہ نسیم کہا جاتا تھا۔ میں نے اپنے ہی اخبار میں اس کے کئی فوٹو دیکھے تھے۔ خوش شکل تھی جوان تھی۔ خاص طور پر آنکھیں بڑی پرکشش تھیں اور جب آنکھیں پرکشش ہوں تو سارا چہرہ پرکشش بن جاتا ہے۔

نسیم کے غالبا دو فلم تیار ہو چکے تھے جو سہراب مودی نے بنائے تھے اور عوام میں کافی مقبول ہوئے تھے یہ فلم میں نہیں دیکھ سکا معلوم نہیں کیوں؟ عرصہ گذرا اب مزوا مودی ٹون کی طرف سے اس کی شاندار تاریخی فلم پکار کا اشتہار بڑے زوروں پر ہو رہا تھا۔ پری چہرہ نسیم اس میں نور جہاں کے روپ میں پیش کی جا رہی تھی۔ اور سہراب مودی خود اس میں ایک بڑا اہم کردار ادا کر رہے تھے۔

فلم کی تیاری میں کافی وقت صرف ہوا۔ اس دوران میں اخباروں میں اور رسالوں میں اسٹل شائع ہوئے بڑے شاندار تھے۔ نسیم نور جہاں کے لباس میں بڑی پروقار دکھائی

دیتی تھی۔

پکار کے نمائش عظمیٰ پر میں موجود تھا۔ جہانگیر کے عدل وانصاف کا ایک من گھڑت قصہ تھا جو بڑے جذباتی اور تھیٹری انداز میں پیش کیا گیا تھا۔ فلم میں دو باتوں پر بہت زور تھا۔ مکالموں پر اور ملبوسات پر مکالمے گو غیر فطری اور تھیٹری تھے لیکن بہت زوردار اور پرشکوہ تھے جو سننے والوں پر اثر انداز ہوتے تھے چونکہ ایسا فلم اس سے پہلے نہیں بنا تھا اس لئے سہراب مودی کا سونے کی کان ثابت ہونے کے علاوہ ہندوستانی صنعت فلم سازی میں ایک انقلاب پیدا کرنے کا موجب ہوا۔

نسیم کی اداکاری کمزور تھی۔ لیکن اس کمزوری کو اس کے خداداد حسن اور نور جہاں کے لباس نے جو اس پر خوب بجتا تھا اپنے اندر چھپا لیا تھا۔ مجھے یاد نہیں رہا خیال ہے کہ پکار کے بعد نسیم غالباً دو تین فلموں میں پیش ہوئی مگر یہ فلم کامیابی کے لحاظ سے پکار کا مقابلہ نہ کر سکے۔

اس دوران میں نسیم کے متعلق طرح طرح کی افواہیں پھیل رہی تھیں۔ فلمی دنیا میں اسکنڈل عام ہوتے ہیں کبھی یہ سننے میں آتا تھا کہ سہراب مودی نسیم بانو سے شادی کرنے والا ہے۔ کبھی اخباروں میں یہ خبر شائع ہوتی تھی کہ نظام حیدر آباد کے صاحب زادے معظم جاہ صاحب نسیم بانو پر ڈورے ڈال رہے ہیں اور عنقریب اسے لے اڑیں گے۔ یہ خبر درست تھی کیونکہ شہزادے کا قیام ان دنوں اکثر ممبئی میں ہوتا تھا اور وہ کئی بار نسیم کے مکان واقع میرن ڈرائیو میں دیکھے گئے تھے۔

شہزادے نے لاکھوں روپے خرچ کئے، بعد میں جن کا حساب دینے کے سلسلے میں انھیں بڑی الجھنوں کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن یہ بعد کی بات تھی۔ آپ روپئے کے زور سے نسیم کی والدہ شمشاد عرف چھمیاں کو رضامند کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ چنانچہ پری چہرہ نسیم کا التفات خرید کر آپ اسے اس کی والدہ سمیت حیدر آباد لے گئے۔

تھوڑے ہی عرصہ کے بعد جہاں دیدہ چھمیاں نے یہ محسوس کیا کہ حیدر آباد ایک

قید خانہ ہے جس میں اس کی بچی کا دم گھٹ رہا ہے، آرام و اسائش کے تمام سامان موجود تھے مگر فضا میں گھٹن سی تھی۔ پھر کیا پتا تھا کہ شہزادے کی لا ابالی طبیعت میں ایکا ایکی انقلاب آ جاتا اور نسیم بانو ادھر کی رہتی نا ادھر کی چنانچہ چھمیاں نے حکمت عملی سے کام لیا۔ حیدر آباد سے نکلنا بہت مشکل تھا مگر وہ اپنی بچی نسیم کے ساتھ بمبئی آنے میں کامیاب ہوگئی۔

اس کی آمد پر کافی شور مچا۔ بڑی پوسٹر بازی ہوئی۔ دو پارٹیاں بن گئی تھیں۔ ایک شہزادہ معظم جاہ کے کاسہ لیسوں کی۔ دوسری نسیم بانو کے ہمدردوں کی۔ بہت دیر تک کیچڑ اچھالی گئی اس کے بعد یہ معاملہ خاموش ہوگیا۔

میں اب فلمی دنیا میں داخل ہو چکا تھا۔ کچھ دیر ''منشی'' کی حیثیت سے امپریل فلم کمپنی میں کام کیا۔ یعنی ڈائرکٹروں کے حکم کے مطابق الٹی سیدھی زبان میں فلموں کے مکالمے لکھتا رہا۔ ساٹھ روپے ماہوار پر ترقی کی تو ہندوستان سنے ٹون میں سیٹھ نانو بھائی ڈیسائی کے یہاں سو روپے ماہوار پر ملازم ہوگیا۔ یہاں میں نے اپنی پہلی فلم کہانی ''مڈ'' کے عنوان سے لکھی اس کا عرف ''اپنی نگریا'' تھا۔ کہنا یہ ہے کہ فلمی حلقے اب میرے نام سے واقف ہو چکے تھے۔

اس دوران میں ایک اعلان میری نظروں سے گزرا کہ کوئی صاحب احسان ہیں۔ انہوں نے ایک فلم کمپنی تاج پکچرز کے نام سے قائم کی ہے۔ پہلی فلم ''اجالا'' ہوگی، جس کی ہیروئن پری چہرہ نسیم بانو ہے۔

اس فلم کے بنانے والوں میں دو مشہور ہستیاں ہیں ''پکار'' کا مصنف کمال امروہی اور پکار ہی کا پبلسٹی منیجر ایم اے مغنی۔ فلم کی تیاری کے دوران میں کئی جھگڑے کھڑے ہوئے۔ امیر حیدر کمال امروہی اور ایم اے مغنی کی کئی بار آپس میں چخ چخ ہوئی۔ یہ دونوں حضرات غالباً عدالت تک بھی پہنچے مگر ''اجالا'' انجام کار مکمل ہو ہی گیا۔

کہانی معمولی تھی۔ موسیقی کمزور تھی۔ ڈائرکشن میں کوئی دم نہیں تھا۔ چنانچہ یہ فلم

کامیاب نہ ہوئی اور احسان صاحب کو کافی خسارہ اٹھانا پڑا۔نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو اپنا کاروبار بند کرنا پڑا۔

مگر اس کاروبار میں وہ اپنا دل نسیم بانو کو دے بیٹھے۔ احسان صاحب کے لئے نسیم اجنبی نہیں تھی۔ ان کے والد خان بہادر محمد سلیمان چیف انجینئر نسیم کی والدہ عرف چھمیاں کے پرستار تھے۔ بلکہ یوں کہیے کہ ایک لحاظ سے وہ ان کی دوسری بیوی تھی۔ احسان صاحب کو یقیناً نسیم سے ملنے کا اتفاق ہوا ہوگا۔فلم کی تیاری کے دوران میں تو خیر وہ نسیم کے بالکل قریب رہے تھے لیکن لوگوں کا بیان ہے کہ احسان اپنی جھینپو اور شرمیلی طبیعت کے باعث نسیم سے پوری طرح کھل نہیں سکے تھے۔ سیٹ پر آتے تو خاموش ایک کونے میں بیٹھے رہتے۔ نسیم سے بہت کم بات کرتے۔ کچھ بھی ہو آپ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے کیوں کہ ایک دن ہم نے سنا کہ پری چہرہ نسیم نے مسٹر احسان سے دلی میں شادی کر لی ہے اور یہ ارادہ ظاہر کیا ہے کہ وہ اب فلموں میں کام نہیں کرے گی۔

نسیم بانو کے پرستاروں کے لئے یہ خبر بڑی افسوس ناک تھی۔ اس کے حسن کا جلوہ کیونکہ صرف ایک آدمی کے لئے وقف ہو گیا تھا۔

احسان اور نسیم کا عشق تمام مراحل طے کر کے شادی کی منزل تک کیسے پہنچا مجھے اس کا علم نہیں۔ لیکن اس سلسلے میں اشوک کمار کا بیان بہت دلچسپ ہے۔ اشوک ایک صاحب کیپٹن صدیقی کا دوست تھا۔ یہ مسٹر احسان کے قریبی عزیز تھے ''اجالا'' میں انہوں نے کافی روپیہ لگایا تھا۔

اشوک قریب قریب ہر روز کیپٹن صدیقی کے یہاں جایا کرتا تھا کچھ دنوں سے وہ محسوس کر رہا تھا کہ کیپٹن صاحب کے گھر کی فضا بدلی ہوئی ہے شروع شروع میں تو وہ کچھ سمجھ نہ سکا لیکن ایک دن اس کی ناک نے محسوس کیا کہ ہوا میں بہت ہی عمدہ سینٹ کی خوشبو بسی ہوئی ہے۔ اشوک نے از راہ مذاق کیپٹن صدیقی سے اس خوشبو کے ماخذ کے بارے میں

پوچھا لیکن وہ گول کر گئے۔

ایک دن جب اشوک، صدیقی صاحب کے گھر گیا تو وہ موجود نہیں تھے لیکن وہ خوشبو موجود تھی۔ بڑی لطیف لیکن بڑی شریر۔ اشوک نے سُونگھ سونگھ کر ناک کے ذریعے سے معلوم کرلیا کہ یہ اوپر کی منزل سے آرہی ہے۔ سیڑھیاں طے کر کے وہ اوپر پہنچا۔ کمرے کے کواڑ تھوڑے سے کھلے تھے۔ اشوک نے جھانک کر دیکھا نسیم بانو پلنگ پر لیٹی تھی اور اس کے پہلو میں ایک صاحب بیٹھے اس سے ہولے ہولے باتیں کر رہے تھے۔ اشوک نے پہچان لیا۔ مسٹر احسان تھے جن سے اس کا تعارف ہو چکا تھا۔

اشوک نے جب کیپٹن صدیقی سے اس معاملے کے متعلق بات کی تو وہ مسکرائے یہ سلسلہ دیر سے جاری ہے۔

اشوک کے اس بیان سے نسیم اور احسان کے اس معاشقے پر جو روشنی پڑتی ہے اس پر کسی تبصرے کی ضرورت نہیں۔ عشق و محبت میں جو کچھ ہوتا ہے ہوا ہوگا مجھے اتنا علم ہے کہ احسان کی والدہ اور بہنیں سخت خلاف تھیں کہ وہ نسیم سے شادی کرے۔ چنانچہ اس سلسلے میں بہت جھگڑے ہوئے۔ مگر خان بہادر محمد سلیمان صاحب کو کوئی اعتراض نہیں تھا۔ اس لئے یہ شادی عمل میں آگئی اور نسیم فلمی دنیا سے دور دلّی میں رہنے لگی جہاں اس نے اپنے بچپن کے دن گزارے تھے۔

شادی پر اور شادی کے بعد کچھ دیر اخباروں میں ہنگامہ رہا مگر پھر نسیم فلمی حلقوں سے اوجھل ہوگئی۔

اس دوران میں فلمی دنیا میں کئی انقلاب آئے کئی فلم کمپنیاں بنیں۔ کئی ٹوٹیں۔ کئی ستارے ابھرے۔ کئی ڈوبے۔ ہمانسو رائے کی افسوناک موت کے بعد بمبئی ٹاکیز میں طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی۔ دیوکا رانی، مسز ہمانسو رائے اور رائے بہادر چونی لال (جنرل منیجر) میں بات بات پر چلتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رائے بہادر اپنے گروپ کے ساتھ

بمبئ ٹاکیز سے علیحدہ ہوگئے۔ اس گروپ میں پروڈیوسر ایس مکھرجی افسانہ نگار اور ڈائرکٹر گیان مکھرجی، مشہور ہیرو اشوک کمار، کوی پردیپ، ساؤنڈ ریکارڈسٹ ایس واچا کامیڈین وی ایچ ڈیسائی مکالمہ نگار شاہد لطیف اور سنتوش شامل تھے۔ بمبئ ٹاکیز سے نکلتے ہی اس گروپ نے ایک نئی فلم کمپنی ''فلمستان'' کے نام سے قائم کی۔ پروڈکشن کنٹرولر ایس مکھرجی مقرر ہوئے جو سلور جوبلی فلم بنا کر بہت شہرت حاصل کر چکے تھے۔ کہانی وہانی لکھی گئی۔ اسٹوڈیو نئے ساز و سامان سے آراستہ ہوگیا۔ سب ٹھیک ٹھاک تھا مگر پروڈیوسر ایس مکھرجی سخت پریشان تھے۔ بمبے ٹاکیز سے علیحدہ ہوکر وہ دیوکا رانی کو خار دینے کے لئے کوئی سنسنی پھیلانے والی بات پیدا کرنا چاہتے تھے اور یہ بات ہیروئن کے انتخاب کے متعلق تھی۔

بیٹھے بیٹھے ایک دن ایس مکھرجی کو یہ سوجھی کہ نسیم بانو کو واپس کھینچ کر لایا جائے یہ وہ زمانہ تھا جب اُسے اپنے اوپر اعتماد تھا۔ پے در پے کئی کامرانیوں کے بعد اس کو یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ وہ جس کام میں ہاتھ ڈالے گا پورا کرلے گا۔ چنانچہ فوراً ہی نسیم بانو تک پہنچنے کے راستے سوچ لئے گئے۔

اشوک کی وجہ سے ایس مکھرجی کے بھی کیپٹن صدیقی سے بڑے اچھے تعلقات تھے۔ اس کے علاوہ لال بہادر چونی لال کے احسان کے والد خان بہادر محمد سلیمان سے بہت بے تکلف مراسم تھے۔ چنانچہ دلّی میں نسیم تک رسائی حاصل کرنے میں ایس مکھرجی کو کسی مشکل کا سامنانہ کرنا پڑا۔ لیکن سب سے بڑا مرحلہ پہلے احسان کو اور پھر نسیم کو رضامند کرنا پڑا تھا۔

مکھرجی کی خود اعتمادی کام آئی۔ احسان نے پہلے تو صاف جواب دے دیا لیکن آخر کار رضامند ہوگیا۔ فتح مند ہوکر جب وہ واپس بمبئ آیا تو اخباروں میں یہ خبر بڑے ٹھاٹ سے شائع کرائی کہ فلمستان کے پہلے فلم ''چل چل رے نوجوان'' کی ہیروئن پری چہرہ نسیم بانو ہوگی۔ فلمی حلقوں میں سنسنی پھیل گئی کیونکہ نسیم فلمی دنیا سے ہمیشہ کے لئے علیحدگی اختیار کرچکی تھی۔

یہ اُس زمانے کی بات ہے جب میں ڈیڑھ برس آل انڈیا ریڈیو دلّی کے ساتھ منسلک رہ کر واپس بمبئی آیا تھا۔ اور سیّد شوکت حسین رضوی کے لئے ایک کہانی لکھنے میں مصروف تھا۔

یہ کہانی لکھی گئی۔ چند اور کہانیاں بھی لکھی گئیں اس دوران میں گھر سے نکلنا بہت کم ہوتا تھا۔ میری بیوی میرے اس گھریلو پنے سے تنگ آ گئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ میں یوں اپنی صحت خراب کر رہا ہوں۔

شاہد لطیف سے میرے مراسم علی گڑھ یونیورسٹی سے چلے آ رہے تھے۔ فلمستان کے کاموں سے جب بھی فراغت ملتی میرے یہاں ضرور آتا ایک دن آیا تو میری بیوی نے اس سے کہا ''شاہد بھائی ان سے کہیے کہیں ملازمت کریں گھر بیٹھ کر ان کا کام مجھے اچھا نہیں لگتا۔ صحت خراب کر رہے ہیں کہیں ملازمت کریں تو گھر سے باہر تو قدم رکھا کریں گے۔''

چند روز کے بعد ملاڈ سے شاہد لطیف کا فون آیا کہ پروڈیوسر ایس مکھر جی مجھ سے انٹرویو کرنا چاہتے ہیں کیونکہ سینیر یو ڈیپارٹمنٹ کے لئے انہیں ایک آدمی کی ضرورت ہے۔

ملازمت کی مجھے کوئی خواہش نہیں تھی صرف اسٹوڈیو دیکھنے کے لئے میں فلمستان چلا گیا۔ فضا بڑی اچھی تھی جیسے کسی یونیورسٹی کی اس نے مجھے بہت متاثر کیا مکھر جی سے ملاقات ہوئی تو وہ مجھے بے حد پسند آئے۔ چنانچہ وہیں کنٹریکٹ پر دستخط کر دیئے۔ تنخواہ بہت تھوڑی تھی۔ کل تین سو روپے ماہوار اور فاصلہ بھی کافی تھا۔ الیکٹرک ٹرین سے ایک گھنٹہ کے قریب لگتا تھا گورے گاؤں پہنچنے میں لیکن میں نے سوچا ٹھیک ہے۔ تنخواہ تھوڑی ہے لیکن میں ادھر ادھر سے کما لیا کروں گا۔

شروع شروع میں تو فلمستان میں میری حالت اجنبی کی سی تھی لیکن بہت جلد میں اسٹاف کے ساتھ گھل مل گیا۔ ایس مکھر جی سے تو میرے تعلقات دوستانہ حد تک پہنچ گئے تھے۔

اس دوران مجھے نسیم بانو کی صرف چند جھلکیاں دیکھنے کا اتفاق ہوا چونکہ سینیر یولکھا جارہا تھا اس لئے وہ چند لمحات کے لئے موٹر میں آتی اور واپس چلی جاتی تھی۔

ایس مکھرجی بڑا مشکل پسند واقع ہوا ہے مہینوں کہانی کی نوک پلک درست کرنے میں لگ گئے۔ خدا خدا کر کے فلم کی شوٹنگ شروع ہوئی مگر یہ وہ سین تھے جن میں نسیم بانو نہیں تھی۔ بالآخر اس سے ایک روز ملاقات ہوئی۔ اسٹیوڈیو کے باہر فولڈنگ کرسی پر بیٹھی تھی۔ ٹانگ پر ٹانگ رکھے تھرمس سے چائے پی رہی تھی۔ اشوک نے میرا اس سے تعارف کرایا۔ خندہ پیشانی سے پیش آئی اور بڑی باریک آواز میں کہا ''میں نے ان کے مضامین اور افسانے پڑھے ہیں''۔

تھوڑی دیر رسمی گفتگو ہوئی اور یہ پہلی ملاقات ختم ہوئی چونکہ وہ میک اپ میں تھی اس لئے میں اس کے اصلی حسن کا اندازہ نہ کرسکا۔ ایک بات جو میں نے خاص طور پر نوٹ کی وہ یہ تھی کہ بولتے وقت اسے کوشش سی کرنی پڑی تھی۔ یوں کہیے کہ جب وہ بولتی تھی تو مجھے یوں محسوس ہوتا تھا کہ وہ تھوڑی سی مشقت کررہی ہے۔

''پکار'' کی نسیم میں اور ''چل چل رے نوجوان'' کی نسیم میں زمین و آسمان کا فرق تھا ادھر وہ ملکہ نور جہاں کے لباسِ فاخرہ میں ملبوس اور ادھر بھارت سیوادل کی ایک رضا کار کی وردی میں نسیم بانو کو تین مرتبہ میک اپ کے بغیر دیکھا تو میں نے سوچا آرائش محفل کے لئے اس سے بہتر عورت اور کوئی نہیں ہوسکتی۔ وہ جگہ وہ کونہ جہاں وہ بیٹھتی یا کھڑی ہوتی ایک دم سج جاتا۔

لباس کے انتخاب میں وہ بہت محتاط ہے اور رنگ چننے کے معاملے میں جو سلیقہ اور قرینہ میں نے اس کے یہاں دیکھا ہے اور کہیں نہیں دیکھا۔ زرد رنگ بڑا خطرناک ہے کیونکہ زرد رنگ کے کپڑے آدمی کو اکثر زرد مریض بنا دیتے ہیں مگر نسیم کچھ اس بے پروا بے تکلفی سے یہ رنگ استعمال کرتی تھی کہ مجھے حیرت ہوتی تھی۔

نسیم کا محبوب لباس ساڑی ہے۔ غرارہ بھی پہنتی ہے مگر گاہے گاہے شلوار قمیض پہنتی ہے۔ مگر صرف گھر میں وہ کپڑے پہنتی ہے استعمال نہیں کرتی یہی وجہ ہے کہ اس کے پاس برسوں کے پرانے کپڑے بڑی اچھی حالت میں موجود ہیں۔

نسیم کو میں نے بہت محنتی پایا، بڑی نازک سی عورت ہے مگر سیٹ پر برابر ڈٹی رہتی ہے۔ مکھر جی کو مطمئن کرنا آسان کام نہیں کئی کئی ریہرسلیں کرنا پڑتی تھیں۔ گھنٹوں جھلسا دینے والی روشنی کے سامنے اُٹھک بیٹھک کرنا پڑتی تھی لیکن میں نے دیکھا کہ نسیم اکتائی نہیں ہے۔ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ اس کو اداکاری کا بہت شوق ہے۔ ہم شوٹنگ کے ساتھ ساتھ رشیز دیکھتے تھے۔ نسیم بانو کا کام بس گوارا تھا اس میں چمک نہیں تھی۔ وہ سنجیدہ ادائیں مہیّا کرسکتی ہے۔ اپنے مغلئی خدوخال کی حسین جھلکیاں پیش کرسکتی ہے۔ لیکن ناقدانہ نگاہوں کے لئے اداکاری کا جوہر پیش نہیں کرسکتی۔ لیکن پھر بھی ''چل چل رے نوجوان'' میں ان کی ایکٹنگ پہلے فلموں کے مقابلے میں کچھ بہتر ہی تھی۔

مکھرجی اس میں کرختگی اور درشتگی پیدا کرنا چاہتا ہے مگر یہ کیسے پیدا ہوتی؟ نسیم بے حد سرد مزاج ہے۔ چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ ''چل چل رے نوجوان'' میں نسیم کا کریکٹر گڈمڈ ہو کے رہ گیا۔

فلم ریلیز ہوئی۔ رات کو تاج میں ایک شاندار پارٹی دی گئی۔ فلم میں نسیم جیسی بھی تھی، ٹھیک ہے مگر تاج میں وہ سب سے الگ نظر آتی تھی۔ پُروقار باعظمت مغلیہ شہزادیوں کی سی شان اور انفرادیت لئے۔

''چل چل رے نوجوان'' کی تیاری میں دو برس، دو اکتا دینے والے برس لگ گئے تھے۔ جب فلم توقعات کے مطابق کامیاب اور مقبول نہ ہوا تو ہم سب پر افسردگی طاری ہوگئی۔ مکھرجی بہت بیدل ہوا۔ مگر کنٹریکٹ کے مطابق چونکہ اسے تاج محل پکچرز کے ایک فلم کی نگرانی کرنا تھی اس لئے کمربستہ ہو کر کام شروع کرنا پڑا۔

فلم ''چل چل رے نوجوان'' کی تیاری کے دوران احسان سے مکھرجی کے تعلقات بہت بڑھ گئے تھے۔ جب تاج محل پکچرز کے فلم کا سوال آیا تو احسان نے اس کی پروڈکشن کا سارا بوجھ مکھرجی کے کندھوں پر ڈال دیا۔ مکھرجی نے مجھ سے مشورہ کیا۔ آخر یہ طے ہوا کہ ''بیگم'' کے عنوان سے میں ایک ایسی کہانی لکھوں جس میں نسیم کی خوبصورتی کو زیادہ سے زیادہ استعمال کیا جا سکے۔

میں نے ایک خاکہ تیار کیا۔ مکھرجی نے اس میں کچھ تبدیلیاں کرائیں۔ جب فلم تیار ہوئی تو میں نے بڑی حیرت سے یہ محسوس کیا کہ جو کہانی میں نے سوچی تھی وہ تو ردّی کاغذوں پر ہے اور جو پردے پر چل پھر رہی ہے وہ محض اس کا ہلکا سا سایہ ہے۔

کہانی کا قصہ چھوڑیئے۔ مجھے کہنا یہ ہے کہ ''بیگم'' لکھنے کے دوران میں مجھے نسیم بانو کو بہت قریب سے دیکھنے کے مواقع ملے۔ میں اور مکھرجی دوپہر کا کھانا ان کے گھر پر کھاتے تھے۔ اور ہر روز رات کو دیر تک کہانی میں ترمیم و تنسیخ کرنے میں مصروف رہتے تھے۔

میرا خیال تھا نسیم بڑے عالیشان مکان میں رہتی ہے لیکن جب گھوڑ بندر روڈ پر اس کے بنگلے میں داخل ہوا تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ بنگلہ نہایت شکستہ حالت میں تھا بڑا معمولی قسم کا فرنیچر جو غالباً کرائے پر لایا گیا تھا گھسا ہوا قالین، دیواریں اور فرش سیل زدہ۔

اس پس منظر کے ساتھ میں نے پری چہرہ نسیم بانو کو دیکھا۔ بنگلے کے برآمدے میں وہ گوالے سے دودھ کے کوپوں کے متعلق بات چیت کر رہی تھی۔ اس کی دبی دبی آواز جو ایسا معلوم ہوتا تھا کوشش کے ساتھ حلق سے نکالی جا رہی ہے گوالے سے قبولوا رہی تھی کہ اُس نے آدھ سیر دودھ کا ہیر پھیر کیا ہے۔ آدھ سیر دودھ اور پری چہرہ نسیم بانو جس کے لئے کئی فرہاد دودھ کی نہریں نکالنے کے لئے تیار تھے...... میں چکرا گیا۔

آہستہ آہستہ مجھے معلوم ہوا کہ ''پکار'' کی نور جہاں بڑی گھریلو قسم کی عورت ہے اور اس میں وہ تمام خصوصیات موجود ہیں جو ایک غایت درجہ گھریلو عورت میں ہوتی ہیں۔ اُس کی

پکچر ''بیگم'' کی پروڈکشن شروع ہوتی ہے تو ملبوسات کا سارا کام اُس نے سنبھال لیا۔ اندازہ تھا کہ دس بارہ ہزار روپے اس مد پر اٹھ جائیں گے مگر نسیم نے درزی گھر میں بٹھا کر اپنی پرانی ساڑیوں، قمیضوں اور غراروں سے تمام لباس تیار کروا لئے۔

نسیم کے پاس بے شمار کپڑے ہیں۔ میں اس سے قبل کہہ چکا ہوں کہ وہ لباس پہنتی ہے استعمال نہیں کرتی۔ اُس پر ہر لباس بجتا ہے یہی وجہ ہے کہ ''بیگم'' میں ایس مکھر جی نے اس کو کشمیر کے دیہات کی الھڑ لڑکی کے روپ میں پیش کیا اس کو قلو پطرہ بنایا۔ ہیر کا لمبا کرتہ اور لاچا پہنایا موڈرن لباس میں بھی پیش کیا۔

یقین واثق تھا کہ صرف ملبوسات کے تنوع ہی کے باعث بیگم بے حد مقبول ثابت ہوگی۔ مگر افسوس کہ نکمی ڈائرکشن اور کمزور میوزک کی وجہ سے اس نے درمیانے درجے کی فلموں کی بزنس کی۔

ہم سب نے اس فلم کی تیاری پر بہت محنت کی تھی، خاص طور پر مکر جی نے۔ ہم سب دیر تک (بعض اوقات رات کے تین تین بجے تک) بیٹھے کام کرتے رہتے ہیں اور مکھر جی کہانی کی نوک پلک درست کرتے رہتے اور نسیم اور احسان جاگنے کی کوشش کرتے رہتے۔ جب تک احسان صاحب کی ٹانگ ہلتی رہتی وہ میری اور مکھر جی کی باتیں سنتے رہتے لیکن جونہی ان کی ٹانگ ہلنا بند ہو جاتی ہم سب سمجھ جاتے کہ وہ گہری نیند سو گئے ہیں۔

نسیم کو اس سے بڑی جھنجلاہٹ ہوتی تھی کہ اس کا شوہر نیند کا ایسا مارا ہے کہ کہانی کی نہایت ہی دشوار گزار موڑ پر لمبی تان کر سو جاتا تھا۔ میں اور مکر جی احسان کو چھیڑتے تھے تو نسیم بہت جز بز ہوتی تھی وہ ان کو اپنی طرف سے جھنجھوڑ کر جگاتی تھی مگر ایسا معلوم ہوتا کہ لوری دے کر انھیں اور گہری نیند سلا رہی ہے۔

جب نسیم کی آنکھیں بھی مندنے لگتیں تو مکر جی رخصت چاہتے اور چلے جاتے۔

میرا گھر گھوڑ بندر سے بہت دور تھا۔ برقی ٹرین قریب قریب پون گھنٹے میں مجھے وہاں

پہنچاتی تھی۔ ہر روز نصف شب کے بعد گھر پہنچنا ایک اچھا خاصا عذاب تھا۔ میں نے جب اس کا ذکر مکر جی سے کیا تو یہ طے ہوا کہ میں کچھ عرصے کے لئے نسیم ہی کے یہاں اُٹھ آؤں۔

احسان بے حد جھینپو ہیں۔ کوئی بات کہنا ہو تو برسوں لگا دیتے ہیں۔ انھیں میری آسائش کا خیال تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ جس چیز کی مجھے ضرورت ہو میں اُن سے بلا تکلف کہہ دیا کروں۔ مگر تکلف کی یہ حد تھی کہ وہ حرفِ مدعا زبان پر لا ہی نہیں پاتے تھے۔ آخر ایک روز اُن کے اصرار پر نسیم نے مجھ سے کہا ''تہانوں جس چیز دی ضرورت ہووے دس دیا کرو''۔

نسیم فسٹ کلاس پنجابی بولتی تھی ''چل چل رے نوجوان'' کے زمانے میں جب میں نے رفیق غزنوی سے جو اس پکچر میں ایک اہم رول ادا کر رہا تھا ذکر کیا کہ نسیم پنجابی بولتی ہے تو اُس نے اپنے مخصوص انداز میں مجھ سے کہا کہ تم بکتے ہو میں نے اُس کو یقین دلانے کی کوشش کی مگر وہ نہ مانا۔

ایک روز شوٹنگ کے دوران میں جب نسیم اور رفیق دونوں موجود تھے اور اشوک انگریزی کے زبان مروڑ فقرے نسیم سے کہلوانے کی کوشش کر رہا تھا تو میں نے رفیق سے پوچھا ''لالے! اڈھڑ ونجا کسے کہتے ہیں؟''

رفیق نے جواب دیا ''یہ کس زبان کا لفظ ہے''۔

میں نے کہا ''پنجابی زبان کا؟...... بتاؤ اس کا کیا مطلب ہے؟''

رفیق نے اپنے مخصوص انداز میں کہا ''مینوں معلوم نہیں''۔ اوادھڑ ونجے دے پُتر''۔

نسیم نے گردن میں ہلکا سا خم دے کر رفیق کی طرف دیکھا اور مسکرا کر پنجابی میں اس سے پوچھا ''سچّی۔ تہانوں معلوم نہیں۔''

رفیق نے جب نسیم کے منہ سے پنجابی سنی۔ تو بقول شخصے وہ اپنی پشتو بھول گیا۔ لکنت بھرے لہجہ میں اُس نے نسیم سے اردو میں کہا ''آپ پنجابی جانتی ہیں''۔

نسیم نے اسی طرح مسکرا کر کہا ''جی ہاں''۔

میں نسیم سے مخاطب ہوا۔ تو آپ بتایئے ادھڑ و نجے کا مطلب کیا ہے؟

نسیم نے کچھ دیر سوچا ''وہ...... وہ لباس جو گھر میں استعمال کیا جاتا ہے۔''

رفیق غزنوی اپنی پشتو اور زیادہ بھول گیا۔

نسیم کی نانی امرتسر کی کشمیرن تھی۔ پنجابی زبان اس نے غالباً اسی سے سیکھی تھی اردو اس لئے بہت شستہ و رفتہ بولتی ہے کہ دلّی میں اپنی ماں کے ساتھ رہی۔ انگریزی جانتی ہے اس لئے کہ کنونٹ میں پڑھی تھی۔ موسیقی سے شغف رکھتی ہے، اس کی تعلیم ماں ہی سے پائی۔ مگر ماں جیسا سُریلا گلہ نہ پایا۔ فلموں میں اپنے گانے خود ہی گاتی ہے مگر اُن میں رس نہیں ہوتا۔ لیکن اب میں نے سنا ہے کہ اُس نے خود گانا ترک کر دیا ہے۔

نسیم کے اردگرد جو ایک خیرہ کن ہالہ تھا آہستہ آہستہ غائب ہو گیا مجھے اُن کے بنگلے کے غسل خانے میں پہلی بار نہانے کا اتفاق ہوا۔ تو مجھے بڑی ناامیدی ہوئی۔ میرا خیال تھا کہ وہ جدید ساز و سامان سے آراستہ ہوگا۔ متعدد قسم کے نہانے والے نمک ہوں گے۔ نایاب صابن ہوگا، ٹب ہوگا۔ وہ تمام اوٹ پٹانگ چیزیں ہوں گی جو حسین عورتیں اور ایکٹریس اپنے حسن کی افزائش کے لئے استعمال کرتی ہیں مگر وہاں صرف ایک جست کی بالٹی تھی۔ ایلومینیم کا ایک ڈونگا اور ملاڈ کے کنویں کا بھاری پانی کہ صابن گھستے رہو اور جھاگ پیدا نہ ہو۔

لیکن نسیم کو جب بھی دیکھو تر و تازہ اور نکھری نکھری نظر آئی تھی۔ میک اپ کرتی تھی مگر ہلکا، شوخ رنگوں سے اُسے نفرت ہے۔ وہ صرف وہی رنگ استعمال کرتی ہے جو اس کے مزاج کے موافق ہوں یعنی معتدل۔

عطریات سے اس کو عشق ہے۔ چنانچہ انواع و اقسام کی خوشبویات اس کے پاس موجود رہتی ہیں۔ بعض سینٹ تو بہت ہی قیمتی اور نایاب ہیں۔ زیور ایک سے ایک اعلیٰ اور بیش قیمت ہے مگر ان میں لدی پھندی نہیں ہوتی۔ کبھی ہیرے کا ایک کنگن پہن لیا، کبھی جڑاؤ چوڑیاں اور کبھی موتیوں کا ہار۔

ان کا دستر خوان میں نے کبھی پُر تکلف نہیں دیکھا۔ احسان کو دمے کی شکایت رہتی ہے اور نسیم کو زکام کی۔ دونوں پرہیز کی کوشش کیا کرتے تھے۔ نسیم میری ہری مرچیں لے اڑتی تھی۔ اور احسان نسیم کی پلیٹ پر ہاتھ صاف کر دیتے تھے دونوں میں کھانے پر قریب قریب ہر روز ایک عجیب بچگانہ قسم کی چخ ہوتی تھی دونوں کی نگاہیں جب اس دوران میں ایک دوسرے سے ٹکرائیں تو دیکھنے والوں کو صاف پتہ لگ جاتا کہ وہ محبت آشنا ہیں۔

نسیم کو جب میری بیوی نے اپنے یہاں مدعو کیا تو اُسے سالنوں میں استعمال کیا ہوا گھی بہت پسند آیا۔ کھانے کی میز ہی پر اس نے پوچھا ''یہ گھی آپ کہاں سے منگواتی ہیں؟''

میری بیوی نے جواب دیا ''بازار سے...... پولسن کا گھی ہے...... عام ملتا ہے۔''

نسیم نے کہا ''دو ڈبے مجھے منگوا دیجیے''۔ میں نے نوکر سے کہا۔ وہ فوراً پاس والے اسٹور سے جس کے ساتھ میرا حساب چلتا ہے، دو ڈبے لے آیا۔

اسی طرح وہ کل آٹھ ٹین لے گئی۔ ایک دن مجھ سے کہنے لگی ''آپ وہ گھی کا حساب تو کر لیجئے۔''

میں نے کہا ''اس کی کیا ضرورت ہے؟''

لیکن جب اُس نے اصرار کیا تو میں نے کہا ''کل آٹھ ٹین ہوتے ہیں...... آپ حساب کر لیجئے۔''

نسیم نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا ''آٹھ؟ میرا خیال ہے سات ٹین آئے ہیں''۔ سات ہی ہوں گے۔

''ہوں گے کیا...... آپ کہتے ہیں تو آٹھ ہی ہوں گے۔''

''آپ نے بھی ہوں گے ہی کہا۔''

کافی دیر تک سات اور آٹھ کا ہیر پھیر رہا۔ نسیم کے حساب کے مطابق ٹین سات تھے اور میرے اور اسٹور والے کے حساب کے مطابق آٹھ۔ فیصلہ یوں ہی ہو سکتا تھا کہ ہم میں

سے ایک دوسرے کا حساب مان لے مگر جب بات حساب کی تھی تو کون مانتا۔ آخر نسیم نے اپنے ملازم سے کہا کہ خالی ٹین اکٹھے کرے جب یہ اکٹھے کر کے نسیم کے روبرو پیش کیے گئے تو ان کی تعداد سات تھی نسیم نے فاتحانہ انداز میں میری طرف دیکھا اور کہا ''گن لیجیے۔ سات ہیں۔''

میں نے پھر کہا ''سات ہی ہوں گے...... لیکن میرے حساب کے مطابق آٹھ ہوتے ہیں۔''

ملازم نسیم سے مخاطب ہوا ''جی ہاں! آٹھ ہی ہوتے ہیں۔ ایک بھنگن لے گئی تھی۔'' میں اُن سے پانچ سو روپے ماہوار لیتا تھا ہر مہینے اس کی پائی پائی کا حساب ہوتا تھا لیکن اس میں کبھی سات اور آٹھ کا ہیر پھیر نہ ہوا۔ میاں بیوی دونوں میرے کام سے مطمئن تھے لیکن مسٹر احسان کسی حد تک میری تیز طبیعت سے نالاں تھے۔ مگر اس کا اظہار وہ اپنی حد سے بڑھی پُر تکلف طبیعت کے باعث مجھ پر کبھی نہ کر سکے۔

بظاہر مسٹر احسان بہت دبیل قسم کے انسان ہیں مگر اپنی بیوی کے معاملے میں بہت سخت گیر قسم کے واقع ہوئے ہیں۔ نسیم کو صرف خاص خاص لوگوں سے ملنے کی اجازت ہے۔ عام ایکٹروں اور ایکٹرسوں سے نسیم کو بات چیت کی ممانعت ہے ویسے نسیم بھی چھچھوروں سے نفرت کرتی ہے۔ شور و غل برپا کرنے والی پارٹیوں سے وہ خود بھی دور رہتی ہے۔ ایک دفعہ اسے ایک بہت بڑے ہنگامے میں حصہ لینا پڑا۔

یہ ہنگامہ ہولی کا ہنگامہ تھا جس طرح علی گڑھ یونیورسٹی کی ایک ''ٹریڈیشن'' برکھا کے آغاز پر ''مڈ پارٹی'' ہے۔ اسی طرح بمبئے ٹاکیز کی ایک ٹریڈیشن ہولی کی رنگ پارٹی تھی چونکہ فلمستان کے قریب قریب تمام کارکن بمبئے ٹاکیز کے مہاجر تھے اس لئے یہ ٹریڈیشن یہاں بھی قائم رہی۔

ایس مکرجی اس رنگ پارٹی کے رنگ لیڈر تھے۔ عورتوں کی کمان ان کی موٹی اور ہنس

مکھ بیوی (اشوک کی بہن) کے سپرد تھی میں شاہد لطیف کے ہاں بیٹھا تھا۔ شاہد کی بیوی عصمت (چغتائی) اور میری بیوی (صفیہ) دونوں خدا معلوم کیا باتیں کر رہی تھیں۔ ایک دم شور برپا ہوا۔ عصمت چغتائی ''لو صفیہ وہ آ گئے ......لیکن میں بھی......''

عصمت اس بات پر اڑ گئی کہ وہ کسی کو اپنے اوپر رنگ پھینکنے نہیں دے گی۔ مجھے ڈر تھا کہ اس کی یہ ضد کہیں دوسرا رنگ اختیار نہ کر لے۔ کیونکہ رنگ پارٹی والے سب ''ہولی ڈے موڈ'' میں تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ عصمت کا موڈ خود بخود بدل گیا۔ اور وہ چند لمحات ہی میں رنگوں میں لت پت بھتنی بن کر دوسری بھتنیوں میں شامل ہو گئی۔ میرا اور شاہد لطیف کا حلیہ بھی وہی تھا جو ہولی کے دوسرے بھتنوں کا تھا۔

پارٹی میں جب کچھ اور لوگ شامل ہوئے تو شاہد لطیف نے بہ آواز بلند کہا۔ چلو پری چہرہ نسیم کے گھر کا رخ کرو۔

رنگوں سے مسلح گروہ گھوڑ بندر روڈ کی اونچی نیچی تارکول لگی سطح پر بے ڈھنگے بیل بوٹے بناتا اور شور مچاتا نسیم کے بنگلے کی طرف روانہ ہوا۔ چند منٹوں ہی میں، ہم سب وہاں تھے۔ شور سُن کر نسیم اور احسان باہر نکلے۔ نسیم ہلکے رنگ کی جارجٹ کی ساڑی میں ملبوس میک اپ کی نوک پلک نکالے جب ہجوم کے سامنے برآمدے میں نمودار ہوئی تو شاہد نے بزن کا حکم دیا۔ مگر میں نے اسے روکا ''ٹھہرو! پہلے ان سے کہو کپڑے بدل آئیں۔''

نسیم سے کپڑے تبدیل کرنے کے لئے کہا گیا تو وہ ایک ادا کے ساتھ مسکرائی ''یہی ٹھیک ہیں۔''

ابھی یہ الفاظ اس کے منہ ہی میں تھے کہ ہولی کی پچکاریاں برس پڑیں۔ چند لمحات ہی میں پری چہرہ نسیم بانو ایک عجیب وغریب قسم کی خوفناک چڑیل میں تبدیل ہو گئی۔ نیلے پیلے رنگوں کی تہوں میں سے جب اس کے سفید اور چمکیلے دانت اور بڑی بڑی آنکھیں نظر آتیں تو ایسا معلوم ہوتا کہ بہزاد اور مانی کی مصوری پر کسی بچے نے سیاہی انڈیل دی ہے۔

رنگ بازی ختم ہونے پر کبڈی شروع ہوئی۔ پہلے مردوں کا میچ شروع ہوا۔ پھر عورتوں کا یہ سب دلچسپ تھا۔ مسٹر مکرجی کی فربہ بیوی جب بھی گرتی قہقہوں کا طوفان برپا ہو جاتا۔ میری بیوی عینک پوش تھی۔ شیشے رنگ آلود ہونے کے باعث اسے بہت کم نظر آتا تھا۔ چنانچہ وہ اکثر غلط سمت دوڑنے لگتی۔ نسیم سے بھاگا نہیں جاتا تھا یا وہ یہ ظاہر کرنا چاہتی تھی کہ وہ اس مشقت کی عادی نہیں بہر حال وہ برابر کھیل میں دلچسپی لیتی رہی۔

نسیم اور اس کے میاں بڑے مذہبی قسم کے آدمی ہیں۔ میرا مطلب اس قسم کے مذہبی آدمیوں سے ہے جو اردو کے اخباروں کے پُرزے زمین سے اٹھا کر چومتے ہیں اور سر آنکھوں پر لگاتے ہیں۔ شام کو ایک ستارہ دیکھتے ہیں۔ تو اور دو دیکھنے کے لئے سارا آسمان کھنگالنا شروع کر دیتے ہیں دونوں وہم پرست ہیں خاص طور پر میاں احسان ریس کورس پر ان کی حالت دیکھنے والی ہوتی ہے۔ پاس بہت اچھی ٹپ ہے۔ قریب ہے کہ اُس پر روپیہ لگا دیں کہ ایک کانا آدمی پاس سے گزر گیا۔ بس وہیں رُک جائیں گے۔ ٹپ کا گھوڑا ون آجائے گا تو نسیم سے الجھ پڑیں گے۔ ''تم نے کیوں کہا تھا کہ اس گھوڑے پر نہ لگانا...... نہیں آئے گا۔''

ایسی ہلکی ہلکی چخ ان میں عام ہوتی رہتی ہے جو ان کی ازدواجی زندگی میں رنگ بھرتی رہتی ہے۔

نسیم کے دو بچے ہیں جو اکثر نانی کے پاس رہتے ہیں وہ ان کو اسٹوڈیو کی فضا سے دور رکھنا چاہتی ہے اُس کو اپنے مرحوم باپ سے بہت پیار ہے ان کا فوٹو ہر وقت اس کے وینٹی بیگ میں موجود رہتا ہے۔ مجھے عورتوں کے بیگ چوری چوری دیکھنے کا بہت شوق ہے۔ ایک روز میں حسبِ عادت نسیم کا بیگ کھول کر یہ فوٹو دیکھ رہا تھا کہ وہ آگئی میں نے اس سے کہا ''معاف کیجئے گا۔ یہ میری بہت بُری عادت ہے...... بتایئے یہ کس کا فوٹو ہے۔''

نسیم نے فوٹو ہاتھ میں لے کر اس کو پیار بھری نظروں سے دیکھا اور کہا...... ''میرے ابا

جی کا۔"

مجھے ایسا محسوس ہوا کہ ایک چھوٹی سی بچی ہے۔ جو مجھ سے یوں کہہ رہی ہے"میرے ابا جی کا اور کس کا۔"

میں نے اس سے یہ نہ پوچھا کہ وہ کون ہیں؟ کہاں ہیں؟...... کیا یہی کافی نہ تھا کہ وہ اس کے باپ ہیں......نہیں......اس کے ابا جی ہیں۔

ذیل کا یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد میں یہ مضمون ختم کروں گا۔

"بیگم" لکھنے کے دوران میں مسٹر مکرجی کے ساتھ ایک منظر پر بحث وتمحیص کرتے کرتے بہت دیر ہوگئی۔ رات کے دو بجے تھے۔ صبح کی پہلی گاڑی ساڑھے تین بجے ملتی تھی میری بیوی ساتھ تھی۔ جب ہم نے رخصت چاہی تو نسیم نے کہا"نہیں صفیہ یہیں ٹھہر جاؤ، یہ بھی کوئی وقت ہے جانے کا۔"

ہم نے بہت کہا کہ کوئی بات نہیں۔ موسم اچھا ہے کچھ دیر پلیٹ فارم پر ٹہلیں گے۔ اتنے میں گاڑی آجائے گی۔ مگر نسیم اور احسان نے بہت اصرار کیا کہ ہم ٹھہر جائیں مکرجی چلے گئے۔ اس لئے کہ اُن کے پاس موٹر تھی اور انھیں بہت دور نہیں جانا تھا۔ میں باہر برآمدے میں سوگیا۔ احسان وہیں کمرے میں صوفے پر لیٹ گئے۔

صبح ناشتہ کر کے جب میں اور صفیہ گھر چلے تو راستے میں اس نے مجھے یہ بات سنائی جو دلچسپی سے خالی نہیں۔

جب صفیہ اور نسیم سونے کے لئے کمرے میں داخل ہوئیں تو وہاں ایک پلنگ تھا۔ صفیہ نے ادھر اُدھر دیکھا اور نسیم سے کہا" آپ سوجایئے۔"

نسیم مسکرائی اور پلنگ پر نئی چادر بچھا کر کہنے لگی" کپڑے تو بدل لیں۔"

یہ کہہ کر اُس نے ایک نیا سیلپنگ سوٹ نکالا"۔ یہ تم پہن لو...... بالکل نیا ہے۔"

"بالکل نیا" پر زور تھا جس کا مطلب میری بیوی سمجھ گئی اور لباس تبدیل کر کے بستر پر

لیٹ گئی۔ نسیم نے اطمینان سے آہستہ آہستہ شب خوابی کا لباس پہنا، چہرے کا میک اپ اتارا۔ تو صفیہ نے حیرت زدہ ہو کر کہا "ہائے تم کتنی پیلی ہو نسیم۔"

نسیم کے پھیکے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی "یہ سب میک اپ کی کارستانی ہے۔"

میک اپ اتارنے کے بعد اُس نے چہرے پر مختلف روغنیات ملے اور ہاتھ دھو کر قرآن اٹھایا اور تلاوت شروع کر دی۔ میری بیوی بے حد متاثر ہوئی۔ بے اختیار اُس کے منہ سے نکلا "نسیم...... قسم، تم تو ہم لوگوں سے کہیں اچھی ہو......"

اس احساس سے کہ یہ بات اس نے ڈھنگ سے نہیں کہی۔ صفیہ ایک دم خاموش ہو گئی۔

قرآن کی تلاوت کرنے کے بعد نسیم سو گئی۔

پری چہرہ نسیم...... پکار کی نور جہاں...... ملکۂ حسن...... احسان کی روشن...... چھمیاں کی بیٹی اور دو بچوں کی ماں!

نگار خان

فلم اداکارہ نگار خان نے کئی ہندی فلموں میں کام کیا ہے۔ انھیں زیادہ تر فلموں میں آئٹم نمبروں میں دیکھا گیا ہے۔ نگار خان 1984 میں ایران میں پیدا ہوئی تھیں۔ انہوں نے ماڈلنگ اور اداکاری کو بطور پیشہ منتخب کیا۔ 2000ء سے نگار خان فلمی دنیا میں فعال ہیں۔

نگار خان اب تک جن فلموں میں نظر آئی ہیں ان میں ''ہیلو کون ہے، جان لیوا (2007)، تاج محل (2005)، ڈبل کراس، ایک دھوکہ (2005)، شادی کالڈ و (2004)، اور رود راکش (2004) '' شامل ہیں۔ علاوہ ازیں انہوں نے 2006 میں ایک اطالوی فلم میں بھی کام کیا۔

اے بی پی نیوز کے پروگرام لواسٹوری کی میزبان کے طور پر ان دنوں نگار خان کی کافی شہرت ہورہی ہے۔ ٹی وی پروگرام سچ کا سامنا میں انہوں نے کئی متنازعہ بیان دئے تھے جن کے بعد کافی لے دے ہوئی تھی۔

کئی ٹی وی سیریلوں میں بھی وہ بطور اداکارہ آچکی ہیں اور داد و تحسین حاصل کر چکی ہیں۔

نگار سلطانہ

نگار سلطانہ کا فلموں میں بہت اہم کردار رہا ہے۔ صحیح تاریخ پیدائش تو پتہ نہیں، لیکن ایک اندازے کے مطابق 1932 میں پیدا ہوئیں۔ پہلی مرتبہ 1946 میں فلم ''رنگ بھومی'' میں کام کیا۔ اس کے بعد کئی مشہور فلموں میں اپنی اداکاری کے جوہر دکھائے۔ 1947 میں ''بیلا''، 1948 میں ''شکایت''، ''ناؤ''، ''مٹی کے کھلونے'' اور ''آگ''، 1949 میں ''پتنگا''، ''سنہرے دن''، ''بازار'' اور ''بالم''، 1950 میں ''شیش محل''، ''کھیل'' اور ''خاموش سپاہی''، 1951 میں ''پھولوں کے ہار'' اور ''دامن''، 1952 میں ''حیدرآباد کی نازنین''، 1953 میں ''آنند بھون''، 1954 میں ''مرزا غالب''، ''مستانہ''، ''منگو'' اور ''خیبر''، 1955 میں ''سردار''، 1956 میں عمر ماروی اور درگیش نندنی، 1958 میں یہودی، 1959 میں کمانڈر، 1960 میں ''مغل اعظم''، 1962 میں ''راز کی بات''، 1968 میں ''میرے ہمدم میرے دوست'' اور ''دو کلیاں''، 1972 میں ''بنسی برجو'' اور 1986 میں ''جنبش''۔

نمّی

1950اور 1960 کے زمانے کی مقبول ترین ہیروئن میں شمار کی جانے والی خوبصورت اداکارہ نمی، جن کا اصلی نام نواب بانو تھا، 18 فروری 1933 میں آگرہ میں پیدا ہوئیں۔ ان کی والدہ اپنے زمانے کی مشہور گلوکارہ اور اداکارہ وحیدہ تھیں۔ ان کے والد عبدالحکیم ملٹری میں کام کرتے تھے۔ نمی جب نو سال کی تھی تو ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ نمی اپنی نانی جو خود بھی اداکارہ تھیں، کے ساتھ ممبئی میں رہنے لگی۔ نمی کی والدہ کے مراسم فلم ڈائریکٹر محبوب خاں سے بہت اچھے تھے۔ انہوں نے نمی کو فلموں میں آنے کی راہ دکھائی۔ فلم انداز کے سیٹ پر اس کی ملاقات راج کپور سے ہوئی۔ راج کپور نے اپنی فلم برسات میں نوعمر نمی کو اداکاری کا موقع دیا۔ نرگس، راج کپور اور پریم ناتھ جیسے بڑے فنکاروں کے ساتھ کام کرتے ہوئے اس نے ثابت کر دیا کہ اس کے اندر بھی ایک فنکار موجود ہے۔ فلم کی بے پناہ کامیابی کے ساتھ ہی نمی نے پورے ملک میں اپنی ایک الگ پہنچان بنائی۔ اس کے بعد نمی نے کبھی مڑ کر نہیں دیکھا۔ شروعاتی دور میں بڑے ہیرو اور ہیروئنوں کے ساتھ سائڈ رول ادا کرتے ہوئے بھی فلم بینوں کے دلوں میں اپنی جگہ بنانے میں کامیاب ہوئی۔ وہ ایک اچھی گلوکارہ بھی تھی۔ انہوں نے اپنی کچھ فلموں میں گیت بھی گائے۔ لیکن پھر گائیکی چھوڑ کر پوری طرح ایکٹنگ پر توجہ دینے لگی۔ 1951 میں دیدار، 1952 میں داغ، اور ''آن''۔ محبوب خاں کی فلم ''آن'' ہندوستان کی پہلی فلم تھی جو دنیا بھر میں ایک ساتھ ریلیز ہوئی اور اس کا انگریزی ورژن Savage Princes کے نام سے ہوا۔ اس سلسلے میں نمی

لندن کے سفر میں تھیں جہاں کئی بڑی فلمی شخصیتوں سے اس کی ملاقات ہوئی، جن میں ہالی ووڈ کے مشہور اداکار Errol Flynn بھی تھے۔ انہوں نے جب نمی کو Kiss کرنے کی کوشش کی تو نمی نے انہیں ڈھکیل دیا اور کہا ''میں ایک ہندوستانی لڑکی ہوں، تم میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے۔'' وہ واقعہ وہاں کے اخباروں کی سرخی بن گیا۔ وہاں کے میڈیا نے نمی کو نام دیا "Un kissed Girl of India"۔

آن کے بعد محبوب خاں نے اپنی فلم ''امر'' میں بھی نمی کو شامل کیا۔ اسی سال نمی نے اپنی پروڈکشن کمپنی کے تحت ''ڈنکا'' نام کی فلم بنائی جو بہت مقبول ہوئی۔ 1955 میں سہراب مودی کی فلم ''کندن'' میں ڈبل رول ادا کر کے سب کو حیرت میں ڈال دیا۔ اسی سال دلیپ کمار کے ساتھ فلم ''اُڑن کھٹولا'' آئی جس نے زبردست کامیابی حاصل کی۔ 1956 میں ''بسنت بہار'' اور 1957 میں ''بھائی بھائی'' جس میں نمی کو فلم نقادوں کی طرف سے خوب سراہا گیا اور ایوارڈ سے نوازا گیا۔

نمی کی مشہور فلمیں ہیں۔ 1949 برسات، وفا، راج مکٹ، جلتے دیپ اور بانورا 1950، سزا، بزدل، بے دردی، اور بڑی بہو 1951، اوشا کرن، داغ، آندھیاں اور آن 1952، ہمدرد، الف لیلیٰ اور آبشار 1953، پیاسے نین، کستوری، ڈنکا، اور امر 1954، اڑن کھٹولا، سوسائٹی، کندن، چار پیسے، اور بھاگوت مہیما، 1955، راجدھانی، بھائی بھائی اور بسنت بہار 1956، انجلی، اور چھوٹی بہو، 1958 میں سوہنی مہوال، 1959 میں پہلی رات اور چار دل چار راہیں، 1960 میں انگولی مال، 1961 میں شمع، 1963 میں میرے محبوب، 1964 میں پوجا کے پھول، اور دال میں کالا، 1965 میں آکاش دیپ، اور کافی عرصے بعد ریلیز ہوئی 1986 میں Love & God (محبت اور خدا)۔

ناظمہ

ناظمہ کی پہچان ایک مشہور فلم میک اپ آرٹسٹ کے ساتھ ساتھ ایک اداکارہ کے طور پر بھی ہے۔ انھوں نے چار فلموں میں اداکاری کی۔ 1961 میں فلم ''ہیری کین ایکسپریس'' سے انھوں نے فلم اداکاری کی دنیا میں قدم رکھا۔ 1976 میں فلم ''آج کا یہ گھر'' فلم میں بھی انہوں نے اداکاری کی۔ 1977 میں فلم ''آخری مقابلہ'' میں بھی انہوں نے اداکاری کی اور پسند کی گئیں۔ آخری دفعہ وہ 1982 میں فلم ''تیری قسم'' میں اداکاری کرتی نظر آئیں۔

علاوہ ازیں میک اپ آرٹسٹ کے طور پر بھی وہ مشہور رہیں۔ 1974 سے 1988 کے درمیان تقریباً ڈیڑھ درجن فلموں میں وہ میک اپ آرٹسٹ رہی ہیں۔

نور جہاں

ملکۂ ترنم نور جہاں کا اصلی نام ''اللہ وسائی'' تھا۔ 21 ستمبر 1926 کو پنجابی مسلم خاندان میں پیدا ہوئیں۔ ان کا خاندان روایتی موسیقاروں کا خاندان تھا۔ والد مدد علی اور والدہ فاتح بی بی اپنے زمانے کے مقبول فنکاروں میں شمار کیے جاتے تھے۔ اس لئے وہ چاہتے تھے کہ ان کی بیٹی بھی گائیکی میں اپنا نام پیدا کرے۔ نور جہاں نے پانچ سال کی عمر سے ہی اسٹیج پر گانا شروع کر دیا تھا۔ ساتھ ہی تھیٹر میں ایکٹنگ بھی کرنے لگی تھی۔ گائیکی کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے ان کے والدین نے انہیں استاد بڑے غلام علی خاں کی خدمت میں بھیج دیا۔ انہوں نے ہندوستانی کلاسیکی موسیقی کے پٹیالہ گھرانے کی روایات سے نور جہاں کو آراستہ کیا اور ٹھمری، دھروپد اور خیال کی باریکیوں سے روشناس کروایا۔ 9 سال کی عمر میں وہ پنجابی موسیقار غلام احمد چشتی کی شاگردہ بنی جنھوں نے نور جہاں کی گائیکی کو دنیا کے سامنے پیش کیا۔ پھر ان کا خاندان کلکتہ جا بسا۔ وہاں مشہور زمانہ گلوکارہ مختار بیگم نے نور جہاں کی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے اسے فلموں میں کام کرنے کا مشورہ دیا۔ نور جہاں اور اس کی دو بڑی بہنوں کو فلموں میں کام دلوایا۔ اور اپنے شوہر مشہور ناٹک کار آغا حشر کاشمیری سے بھی سفارش کر کے ان کے تھیٹر گروپ میں داخل کروایا۔ یہیں پر اللہ وسائی کو بے بی نور جہاں کا نام ملا۔ نور جہاں اور اس کی بہنوں کو ''پنجاب میل'' کے نام سے پہنچانا جانے لگا۔

1935 میں کے. ڈی مہرا کی پنجابی فلم ''پنڈ دی کڑی'' میں نور جہاں نے اپنی دو بہنوں کے ساتھ کام کیا۔ یہ ان کی پہلی فلم تھی۔ پھر 1936 میں ''مصر کا ستارہ'' اور 1937 میں

''ہیر۔سیال'' میں کام کر کے اپنی شناخت بنائی۔ 1938 میں کلکتہ سے لاہور واپسی پر مشہور موسیقار غلام حیدر نے فلم ''گل بکاؤلی'' کے لئے نور جہاں سے پہلا گانا ریکارڈ کروایا۔ ابھی تک نور جہاں بحیثیت Child Artist کے فلموں میں کام کر رہی تھیں۔ 1942 میں پہلی بار فلم خاندان میں ہیروئن کی حیثیت سے کام کیا جس کے ہیرو پران تھے۔

1943 میں فلم دہائی کے لئے دوسری مرتبہ نور جہاں نے پس پردہ گیت گایا جو اس فلم کی ہروئن ''حسن بانو'' پر فلمایا گیا۔ 1945 میں فلم بڑی ماں کے لئے ایک گیت گایا جس میں لتا منگیشکر اور آشا بھوسلے نے ساتھ دیا۔ 1945 میں ہی ان کی مشہور قوالی منظر عام پر آئی جس میں زہرہ بائی انبالے والی اور امیر بائی کرناٹکی کی آوازیں بھی شامل ہیں، وہ ہے ''آہیں نہ بھریں شکوے نہ کیے، کچھ بھی نہ زباں سے کام لیا'' یہ پہلی قوالی تھی جو کسی عورت کی آواز میں ریکارڈ کی گئی تھی۔ ہندوستان میں نور جہاں کی آخری فلم مرزا صاحبان تھی جو 1947 میں ریلیز ہوئی۔ اس کے بعد نور جہاں پاکستان چلی گئیں۔

نور جہاں نے ہندوستانی فلموں کے لئے کل 127 گانے گائے۔ اور 1932 سے 1947 کے درمیان کل 69 فلموں میں کام کیا، جس میں 12 خاموش فلمیں ہیں۔ ان کی بولتی فلموں کے نام ہیں: گل بکاؤلی، ایماندار، پیام حق، دھیرج، فریاد، خاندان، نادان، دوہائی، نوکر، لال حویلی، دوست، زینت، گاؤں کی گوری، بڑی ماں، بھائی جان، انمول گھڑی، دل، ہم جولی، صوفیہ، جادوگر، مہارانا پرتاپ، مرزا صاحبان، جگنو، عابدہ، میرا بائی، چنوے، دوپٹہ، گلنار، انارکلی، پاٹے خاں، لخت جگر، انتظار، نوران، چھومنتر، نیند، پردیسیاں، کوئل، مرزا غالب، اس کے علاوہ پاکستان کی بہت سی فلموں میں کام کیا۔ نور جہاں نے 30,000 سے زیادہ گانے گائے۔

ان کے صدابہار نغمے:

''جواں ہے محبت حسیں ہے زمانہ، لٹایا ہے دل نے خوشی کا خزانہ

یا

آواز دے کہاں ہے دنیا میری جواں ہے

چلنے کو اب فلک پر تاروں کا کارواں ہے

ایسے میں تو کہاں ہے

آج بھی ہندوستان کی فضا میں گونج رہے ہیں۔

23 دسمبر 2000 میں یہ جگمگاتا ستارہ دنیائے فانی سے کوچ کر گیا۔ اور کراچی کے گذری قبرستان میں سپرد خاک ہوگیا۔

نفیسہ علی

نفیسہ علی کی پیدائش 18 جنوری 1957 کو ہوئی۔ جس خانوادے میں نفیسہ نے آنکھیں کھولیں وہاں علمی اورادبی ماحول تھا۔ لامارٹینرس کلکتہ سے اسکولی تعلیم مکمل کرنے والی نفیسہ اپنی جوانی میں ایک ایتھلیٹ رہی ہیں۔ مس انڈیا1976 جیتنے کے بعد نفیسہ نے فیشن کی دنیا میں قدم رکھا۔ فیشن کی دنیا سے نفیسہ نے فلمی دنیا میں قدم رکھا۔ ان کی پہلی فلم ''جنون'' تھی جسے شیام بینیگل نے بنایا تھا۔ اس فلم کے ہیرو ششی کپور تھے۔ اس فلم نے کئی قومی ایوارڈ حاصل کیے۔

نفیسہ علی کی شادی کرنل آرایس سوڑھی کے ساتھ ہوئی۔ لمبے عرصے تک فلموں سے دور رہنے کے بعد نفیسہ نے ''میجر صاحب'' فلم کے ذریعہ فلمی دنیا میں ایک بار پھر واپسی کی۔ اس فلم کے ہیرو امیتابھ بچن تھے۔ نفیسہ نے ''لائف ان اے میٹرو'' اور ملیالم فلم ''بگ بی'' میں بھی کام کیا۔

فلمی اداکارہ کے ساتھ ساتھ نفیسہ کی پہچان ایک سماجی کارکن کی بھی ہے۔ ایڈس کے تعلق سے عوامی بیداری پھیلانے میں ان کا کام مختلف مواقع پر سراہا جاتا رہا ہے۔

نفیسہ علی نے سیاست میں بھی ہاتھ آزمائے ہیں۔ چودھویں لوک سبھا کے الیکشن کے موقع پر 2004 میں انہوں نے کانگریس امیدوار کے طور پر ممتا بنرجی کے خلاف جنوبی کلکتہ پارلیمانی حلقہ سے الیکشن لڑا۔ مارچ 2005 میں اقوام متحدہ کی 49 ویں خواتین کانفرنس میں انہوں نے سرکاری مندوب کے طور پر شرکت کی۔ 2010 کے دہلی دولت مشترکہ کھیلوں

میں وہ ہاسپیٹیلیٹی سب کمیٹی کی شریک چیئر مین بھی رہیں۔ صحت، خواتین کے حقوق اور بچوں کے تعلق سے کام کرنے والے رفاہی حلقوں میں نفیسہ علی کی ایک الگ شناخت ہے۔

انہوں نے جن فلموں میں کام کیا ان میں ''جنون'' (1979) جس کے ہیرو ششی کپور تھے، ''میجر صاحب'' (1998) جس کے ہیرو امیتابھ بچن تھے، ''بے وفا'' (2005)، ''لائف ان اے میٹرو'' (2007) اور حال ہی میں ''یملا پگلا دیوانہ'' (2010) شامل ہیں۔ انہوں نے ملیالم فلم ''بگ بی'' (2007) میں بھی کام کیا۔ فی الحال وہ ایکشن انڈیا نامی تنظیم سے ملحق ہیں جو ایڈس کے انسداد کے حوالے سے ملک میں کام کر رہی ہے۔

نیلما عظیم

نیلما عظیم فلم اداکارہ کی حیثیت سے تو ممتاز ہیں ہی ساتھ ہی ٹی وی اداکارہ کے طور پر ان کی اہم شناخت رہی ہے۔ نیلما عظیم کے والد انور عظیم ایک معروف مارکسی ادیب تھے۔ انور عظیم اردو ادب میں ایک نمائندہ شناخت رکھتے تھے۔ نیلما عظیم کی شادی معروف فلم اداکار پنکج کپور سے ہوئی جس سے ان کے یہاں شاہد کپور کی پیدائش ہوئی جو کہ عہد حاضر کے ایک معروف فلم اسٹار ہیں۔ یہ بات الگ ہے کہ ان کی علیحدگی پنکج کپور سے ہوگئی۔ ان کی ایک اور شادی راجیش کھٹر سے ہوئی جو بعد میں طلاق پر ختم ہوئی۔ نیلما عظیم کی تیسری شادی رضا خان سے ہوئی حالانکہ بعد میں ان سے بھی نیلما عظیم کی طلاق ہوگئی۔

نیلما عظیم نے استاد برجو مہاراج سے کتھک کی تربیت حاصل کی۔ فلم ''سڑک'' میں ان کے کام کے سبب انھیں فلم اداکاری کے حلقوں میں ایک پہچان ملی۔

نیلما عظیم نے جن فلموں میں کام کیا ان میں یاری میرے یار کی (2008)، جسٹ میریڈ (2007)، عشق وشق (2003)، ہم ہیں پیار میں (2003)، کالا مندر (2000)، اتیہاس (1997)، ہاہاکار (1996)، چھوٹا سا گھر (1996)، زمانہ دیوانہ (1995)، آجا رے او سجنا (1994)، دل اپنا پریت پرائی (1993)، کرم یودھا (1992)، ناگن اور سپیرا (1992)، سڑک (1991) اور سلیم لنگڑے پہ مت رو (1990) فلمیں شامل ہیں۔

نیلما عظیم نے ''پھر وہی تلاش، دی سوارڈ آف ٹیپو سلطان، سانس، کشمیر، دھوم مچاؤ دھوم اور ڈھونڈ لے گی منزل ہمیں'' جیسے ٹی وی پروگراموں میں بھی حصہ لیا۔

نیہا (شبانہ رضا)

شبانہ رضا کو نیہا کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ کچھ لوگ انھیں نیہا واجپئی بھی کہتے ہیں۔ یہ ایک ہندوستانی اداکارہ ہیں۔ شبانہ رضا کے فلمی کیریئر کا آغاز بابی دیول کے ساتھ فلم ''قریب'' (1998) سے ہوا۔ اس کے بعد انہوں نے ''فضا'' اور ''راہل'' کے علاوہ بھی دیگر کئی فلموں میں کام کیا۔ نیہا نام انھیں فلمی دنیا سے ملا۔ فلم ''قریب'' کے ہدایت کار ودھو ونود چوپڑا نے یہ نام دیا۔

شبانہ رضا کی شادی ہندی فلموں کے مشہور اداکار منوج واجپئی کے ساتھ اپریل 2006 میں ہوئی۔ شبانہ رضا نے ہندی فلموں کے علاوہ تامل فلموں میں بھی کامیاب اداکاری کی ہے۔ شبانہ رضا نے جن ہندی فلموں میں اداکاری کی ہے ان میں کچھ نام یہ ہیں:

قریب 1998، ہوگی پیار کی جیت 1999، فضا 2000، احساس 2001، راہل 2001، مسکان 2004، کوئی میرے دل میں ہے 2005، کرم 2005، آتما 2006۔

وحیدہ رحمان

14 مئی 1936 میں حیدرآباد میں پیدا ہوئیں۔ وحیدہ رحمان عظیم اداکارہ، بے پناہ حسن، پرکشش خدوخال اور جاذب نظر شخصیت کی ملکہ رہی ہیں۔ ان کا تعلق حیدرآباد کے انتہائی مہذب خاندان سے ہے۔ ان کے والد ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ تھے۔ اس لئے ان کا ایک شہر سے دوسرے شہر تبادلہ ہوتا رہا۔ ساتھ ساتھ چھوٹی وحیدہ بھی گھومتی رہی۔ ان کے والد اپنی بیٹی کو ایک ڈاکٹر بنانا چاہتے تھے۔ لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ بچپن میں وحیدہ سخت بیمار پڑ گئی۔ یہاں تک کہ اس کو اسکول چھوڑنا پڑ گیا۔ پڑھائی پوری نہ ہونے کی وجہ سے اس کا ڈاکٹر بنانے کا خواب ٹوٹ گیا۔ بچپن میں ہی اس کو ایک ڈانس اسکول میں بھارت ناٹیم سیکھنے کے لئے بھیجا گیا، جہاں بہت جلد انہوں نے رقص میں مہارت حاصل کر لی۔ جب وہ بارہ سال کی تھیں تو ان کے والد کا انتقال ہو گیا اور اسی سال ان کی والدہ کا بھی انتقال ہو گیا۔

1955 میں ایک تیلگو فلم 'جے سمہا' میں انہیں موقع ملا۔ اسی سال دوسری تیلگو فلم 'روجولو مرآئی' میں کردار ادا کر کے انہوں نے اپنے ہنر کا ثبوت پیش کر دیا۔ تب گرودت نے انہیں ممبئی بلا لیا اور اپنی فلم 1956C.I.D میں وحیدہ رحمان کو Vamp کے کردار میں پیش کیا۔ وہیں سے وحیدہ کی کامیابی کا دور شروع ہوتا ہے۔ 1957 میں گرودت کی شاہکار فلم ''پیاسا'' میں مرکزی کردار نبھا کر فلمی دنیا کو حیرت زدہ کر دیا۔ تبھی گرودت اور وحیدہ رحمان کے عشق کی داستان سر عام ہونے لگی۔ گرودت کے ساتھ ان کی اگلی فلم ''کاغذ کے پھول'' 1959 میں ریلیز ہوئی جس کو دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ یہ گرودت کی آپ بیتی ہے۔ دونوں میں قربتیں بھی بڑھیں اور پھر دوریاں بھی ہوتی چلی گئیں۔ لیکن ہمیشہ ہی دونوں نے اس حقیقت سے انکار ہی کیا۔ دلوں میں دوریاں ہو جانے کے باوجود اس کے بعد بھی فلم

''چودھویں کا چاند'' 1960 اور '' صاحب بی بی اور غلام'' 1962 میں ایک ساتھ کام کر کے زمانے کو عظیم فلمیں دیتے رہے۔ دونوں فلمیں سنہرے دور کی علامتیں ہیں۔ اس کے بعد 1964 میں فلم '' مجھے جینے دو'' اور '' کہرہ'' ریلیز ہوئیں جو وحیدہ رحمان کی فلمی سفر میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔

1965 میں دیو آنند کے ساتھ فلم '' گائیڈ'' ریلیز ہوئی، جس نے شہرت و کامیابی کے آسمان کو چھولیا۔ اس کے لئے وحیدہ رحمان کو فلم فیئر میں بہترین اداکارہ کا ایوارڈ ملا۔ اس کے بعد 1966 میں فلم '' تیسری قسم'' اور '' دل دیا درد لیا'' نے نئی بلندیاں عطا کیں۔ 1967 میں '' پتھر کے صنم'' اور '' رام اور شیام'' زبردست ہٹ ہوئیں۔ وحیدہ کی اگلی فلم 1968 میں '' نیل کمل'' کے لئے انہیں ایک اور فلم فیئر کا بہترین اداکارہ ایوارڈ ملا۔ 1969 میں فلم خاموشی اور 1971 میں ریشما اور شیرا بھی زبردست کامیاب رہیں۔

1980 کے بعد وحیدہ رحمٰن نے دیگر کیریکٹر رول کرنے شروع کر دیے۔ لیکن ان کی اداکاری آج بھی فلموں کی کامیابی کی دلیل ہے۔

ان کی مشہور فلمیں ہیں: 1956 میں CID، 1957 میں پیاسا، 1958 میں 12O'clock اور سولہواں سال، 1959 میں کاغذ کے پھول، 1960 میں کالا بازار، ایک پھول چار کانٹے اور چودہویں کا چاند، 1962 میں صاحب بی بی اور غلام، بیس سال بعد اور بات ایک رات کی، 1963 میں مجھے جینے دو، 1964 میں کوہرا، 1965 میں گائڈ، 1966 میں تیسری قسم اور دل دیا درد لیا، 1967 میں پتھر کے صنم اور رام اور شیام، 1968 میں نیل کمل اور آدمی، 1969 میں خاموشی، 1970 میں پریم پجاری، 1971 میں ریشما اور شیرا، 1973 میں پھاگن، 1976 میں عدالت اور کبھی کبھی، 1978 میں ترشول، 1982 میں سوال اور نمک حلال، 1983 میں ہمت والا، مہان اور قلی، 1984 میں مشعال، 1989 میں چاندنی، 1991 میں لمحے، 2002 میں اوم جے جگدیش، 2005 میں واٹر، میں نے گاندھی کو نہیں مارا اور 15-Park Auenue، 2006 میں رنگ دے بسنتی، 2008 میں '' دلی 6''۔

وینا کماری

وینا کا اصلی نام تاجور سلطانہ ہے۔ 18 جولائی 1926 میں کوئٹہ، بلوچستان میں پیدا ہوئیں اور 14 نومبر 2004 میں انتقال ہوا۔ 1939 میں تیرہ سال کی عمر میں فلم ''سواستک''، سولہ سال کی عمر میں ''غریب'' میں بحیثیت ہیروئن کام کیا جسے محبوب خاں نے ڈائریکٹ کیا تھا۔ اپنی پہلی ہی فلم سے وہ مشہور ہوگئیں اور یکے بعد دیگرے انہیں کئی فلموں میں کام کرنے کا موقع ملا۔ اردو، ہندی اور پنجابی فلموں میں یکساں مقبولیت حاصل ہوئی۔ ان کی مشہور فلمیں 1943 میں نجمہ، 1945 میں پھول اور ہمایوں 1946 میں راجپوتانی، 1940 سے لے کر 1980 تک بہت سی فلموں میں کبھی مرکزی کردار اور کبھی سائڈ ہیروئن کی حیثیت سے اپنی شناخت برقرار رکھی۔ ان کی بڑی اور مشہور فلموں میں ہلاکو 1956، چلتی کا نام گاڑی 1958، کاغذ کے پھول 1959، تاج محل 1963، دوراستے 1969، پاکیزہ 1972 بے انتہا مقبول رہیں۔ اس کے علاوہ 1950 میں داستان، 1951 میں کشمیر، اور افسانہ، 1952 میں ان داتا، اور آسمان، 1957 میں نیا زمانہ، ممتاز محل اور میرا اسلام 1959 میں چھوٹی بہن، 1963 میں پھر وہی دل لایا ہوں، 1964 میں باغی، اور شہنائی، 1965 میں سکندر اعظم، 1966 میں سناٹا، 1967 میں چھوٹی سی ملاقات، 1968 میں شری مان جی، ساتھی، اور آشیرواد، 1969 میں انمول موتی 1970 میں نیا راستہ، ہیر رانجھا، 1972 میں شہزادہ اور پری چہرے، 1973 میں میرے غریب نواز، بناری بابو، چھپا رستم، اور جھیل کے اس پار، 1974 میں پران جائے پر وچن نہ جائے اور 5 Rifles، 1977 میں شطرنج کے کھلاڑی، اور جَے وجَے، 1980 میں پائل کی جھنکار، 1981 میں خواجہ کی دیوانی اور اگنی پریکشا اور 1983 میں رضیہ سلطان۔

وینا ملک

وینا ملک کا پیدائش کے وقت نام زاہدہ ملک رکھا گیا تھا۔ ان کی پیدائش 1984 میں ہوئی تھی۔ وینا پاکستانی فلم اداکارہ ہیں لیکن ہندوستانی سنیما میں بھی وہ نظر آئی ہیں۔ وینا کی پیدائش راولپنڈی میں ہوئی تھی۔ ان کے والد علی ملک اور والدہ زینت ملک ہیں۔

وینا ملک نے گریجویشن میں سماجیات، نفسیات اور فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ وینا ملک نے ٹی وی کی دنیا سے شروعات کی اور آگے بڑھتے بڑھتے فلمی دنیا تک آ گئیں۔ وینا ملک کو بعض وجوہات کے سبب ان کے ملک پاکستان میں تنقید کا نشانہ بنایا جاتا رہا لیکن وہ ان سب کی پرواہ کئے بغیر فلمی دنیا میں ڈٹی ہوئی ہیں۔

وینا ملک نے بگ باس سیزن 4 میں شرکت کی۔ اس کے بعد سے انھیں ہندوستانی میڈیا میں زبردست مقبولیت ملی۔ وینا نے اردو اور پنجابی کے علاوہ ہندی فلموں میں بھی کام کیا ہے۔

وینا نے جن ہندی فلموں میں کام کیا ان میں گلی گلی میں چور ہے، تیرے نال لو ہو گیا، دال میں کچھ کالا ہے، ممبئی 125 کلومیٹر، زندگی 50-50، آل یونیڈ، لو، اور مسٹری (2012) شامل ہیں۔ علاوہ ازیں انہوں نے ایک کنڑ فلم میں بھی کام کیا ہے۔

اداکاری کے علاوہ وینا ملک اقوام متحدہ کے ادارے ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن میں بھی خدمات انجام دے رہی ہیں۔

وینا ملک نے ۳ ٹی وی ریئلٹی شوز، ۳ ٹی وی پروگراموں، ۳ پنجابی فلموں اور ۶ اردو فلموں میں بھی کام کیا ہے۔

ہما خان

ہما ایک جانی پہچانی فلم اداکارہ رہی ہیں۔ انہوں نے تقریباً بیس فلموں میں اداکاری کی۔ اپنے فلمی سفر کا آغاز انہوں نے سنہ 1984 میں کیا جب وہ فلم ''ہم ہیں لاجواب'' میں عامر خان کی اہلیہ کے کردار میں نظر آئیں۔

ہما خان نے 1980 اور 1990 کے درمیان متعدد سی گریڈ فلموں میں کام کیا۔ حتیٰ کہ انہوں نے کئی فلموں میں چڑیل اور ڈائن کا کردار بھی نبھایا۔

ہما خان نے جن فلموں میں کام کیا ان میں ؛ ظلم ہی ظلم (1996)، گنگا اور رنگا (1994)، انسان بنا شیطان (1992)، راجو دادا (1992)، عجوبہ قدرت کا (1991)، خطرہ (1991)، خونی رات (1991)، پیار کا دیوتا (1991)، کفن (1990)، خونی مردہ (1990)، تیری تلاش میں (1990)، کھوج (1989)، گھبراہٹ (1989)، لہو کی آواز (1989)، میں نے پیار کیا (1989)، پنچ فولادی (1989)، سو سال بعد (1989)، آخری عدالت (1988)، ہم فرشتے نہیں (1988)، قبرستان (1988)، ماردھاڑ (1988)، واسنا کی آگ (1988)، یہ پیار نہیں (1988)، پتھر (1985)، اور سامری (1985) فلمیں شامل ہیں۔

ہما قریشی

ہما قریشی ہندی سنیما کی دنیا میں اداکارہ کے طور پر نیا مگر جانا پہچانا نام ہے۔ ہما کی پیدائش 25 دسمبر 1985 کو دہلی میں ہوئی تھی۔ ہما قریشی پیشہ سے ماڈل اور اداکارہ ہیں۔ فلمی دنیا میں آنے سے پہلے ہما نے کئی ٹی وی اشتہاروں میں بھی کام کیا ہے۔ فلمی دنیا میں ان کی شروعات انوراگ کشیپ کی مشہور فلم ''گینگس آف واسع پور'' سے ہوئی ہے جس میں انہوں نے محسنہ کا کردار ادا کیا ہے۔ ہما قریشی دہلی کی ایک مسلمان فیملی سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کے بھائی ثاقب سلیم بھی فلم اداکار ہیں جو ''مجھ سے فرینڈ شپ کرو گے'' نامی فلم میں نظر آچکے ہیں۔ ہما نے تھیٹر میں بھی کام کیا ہے۔ گینگس آف واسع پور میں انہوں نے نوّے کے دہے کی ایک دیہاتی مسلمان لڑکی کا کردار ادا کیا ہے۔ کانس فلم میلہ میں اس فلم کی نمائش کے وقت ہما قریشی بھی وہاں موجود تھیں۔ آنے والے دنوں میں ہما کی کچھ اور فلمیں ریلیز ہوں گی جن میں ''لَو شو کے چکن کھرانا'' نامی رومانی کامیڈی، اور ایک تھی ڈائن نامی سائیکو تھریلر فلم شامل ہیں۔ آخرالذکر فلم میں وہ اداکار عمران ہاشمی کے ساتھ نظر آئیں گی۔

......☆......

ضمیمہ

فلمی اداکاراؤں کے حالات کی کھوج بین کے اس سفر میں کچھ نام ایسے بھی ہیں جن کی تفصیلات بہت کم دستیاب ہو سکیں۔ تمام کوششوں کے باوجود جو کچھ تفصیلات میسر آ سکیں وہ اتنی نہ تھیں کہ کوئی مضمون یا تعارفی نوٹ تیار ہو پاتا۔ اس لئے میں نے ان اسماء کو اس آخری نوٹ میں شامل کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ کم از کم ان کا ذکر چھوٹ نہ جائے۔

زاہدہ فلم اداکاراؤں کی فہرست کا ایک اہم نام ہے۔ انہیں فلمی دنیا میں لانے کا سہرہ دیو آنند کے سر باندھا جاتا ہے۔ دیو آنند کے ساتھ پریم پجاری اور گیمبلر فلموں میں ان کا کام کافی پسند کیا گیا تھا۔ زاہدہ اداکارہ نرگس کی بہن کی بیٹی ہیں اور معروف فنکارہ جدن بائی کی نواسی ہیں۔

خاموش فلموں کے دور کے دو نام شہزادی اور سلطانہ ہیں۔ یہ دونوں فاطمہ بیگم کی بیٹیاں اور زبیدہ کی بہنیں تھیں۔ انہوں نے کئی خاموش فلموں میں کام کیا جن میں ویرا بھی منیو، بلبل پرستاں، دنیا کیا ہے وغیرہ بہت مشہور فلمیں رہیں۔

مظفر علی کی مشہور فلم امراؤ جان میں امیرن (بچی) کا کردار نبھانے والی لڑکی ام فروہ نام کی تھی۔ حالانکہ بعد میں امّ فروہ کا کہیں ذکر نہیں ملتا اور قیاس یہی لگایا جاسکتا ہے کہ وہ بعد میں فلموں میں نہیں آئیں۔

فلم ''ہم بھی انسان ہیں'' (1948) میں امیر بانو نامی ایک اداکارہ نے کام کیا تھا۔ امیر بانو کے حوالے سے مزید تفصیلات بہت کوششوں کے بعد بھی نہیں مل سکیں اور اس دور کی

دیگر فلموں میں بھی ان کا تذکرہ کہیں نظر نہیں آیا۔

فلم ''محل'' (1949) میں کام کرنے والے فنکاروں کی فہرست میں ایک نام کنیز بھی ہے۔ کنیز نے اس فلم میں بطور اداکارہ کام کیا ہے۔ حسب سابق کنیز کے حالات بھی دستیاب نہیں ہیں اوران کی دیگر فلموں کی تفصیل بھی دستیاب نہیں۔

اسی فلم (محل) میں نیلم نامی ایک اداکارہ شامل تھیں۔ نیلم کے بارے میں زیادہ تفصیلات تو نہیں ملی ہیں لیکن جتنا کچھ معلوم ہو سکا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نیلم مسلمان فلم اداکارہ تھیں۔

فلم ''اچھوت کنیا'' میں اداکارہ عشرت نے کام کیا۔ عشرت کے دیگر حالات اور فلموں کی تفصیل باوجود کوششوں کے نہیں مل سکی۔ اسی طرح فلم ''انوکھا پیار'' میں ایک اداکارہ نرجس نام کی بھی تھیں لیکن ان کے حالات میسر نہیں آسکے۔

فلم اداکار سیف علی خان کی پہلی اہلیہ اور خود فلم اداکارہ امرتا سنگھ کی والدہ رخسانہ سلطانہ بھی فلم اداکارہ تھیں۔ انہوں نے کئی فلموں میں اداکاری کی تھی۔

ان اسماء کے علاوہ بھی کچھ نام ایسے تھے جن کی تفصیلات نہیں تھیں حالانکہ وہ نام سے مسلمان اداکارائیں معلوم ہوتی تھیں لیکن چونکہ محض قیاس اور اندازوں پر مبنی باتیں شامل کرنا ہم نے مناسب خیال نہیں کیا اس لئے ان کا ذکر چھوڑ دیا گیا ہے۔

☆☆☆

جدن بائی

(یہ کتاب اشاعت کے مراحل میں داخل ہو چکی تھی تبھی اچانک پتہ چلا کہ جدن بائی کا تذکرہ رہ گیا ہے، چونکہ اس نام کے بنا ہندی فلموں کی مسلمان اداکاراؤں کا ذکر مکمل نہیں ہو سکتا اس لئے معذرت کے ساتھ اسے اخیر میں شامل کیا جا رہا ہے.)

یہ کہنا شاید ہی غلط ہو کہ جدن بائی ہندوستان کی مشہور گلوکارہ،، ہدایت کار اور موسیقار ہی نہیں، وہ ایک عقلمند، باصلاحیت اور قابل خاتون بھی تھیں۔ فلم انڈسٹری سے وابستہ لوگوں کے باہمی جھگڑوں کا تصفیہ ان کے فیصلوں سے ہی ہوتا تھا، کسی بھی تنازعہ یا جھگڑے کو لے کر پنچایت بیٹھتی اور فریقین کی شکایات سن کر وہ اپنا فیصلہ دیا کرتی تھیں۔ اس ضمن میں ایک معروف صحافی کا بیان ہے کہ ''جدن اس ماحول سے نکل کر آئی تھیں، جہاں پر ہر قسم کے لوگ اس طرح کی عورتوں پر اپنی نگاہیں گاڑے بیٹھے رہتے ہیں۔ اس ماحول سے وہ بڑی کامیابی کے ساتھ نکلیں اور اپنے آپ کو انھوں نے عام سماجی نظام میں شامل کر اپنا ایک مقام بنایا۔ انھوں نے اپنے زمانے میں، فلم صنعت میں، بڑے بڑے فیصلے کیے اور ان کی غیر جانبداری پر کسی نے انگلی تک نہیں اٹھائی۔ آج تو فلموں میں کئی پڑھی لکھی اور تیز طرار اداکارائیں ہیں، مگر جو بات جدن میں تھی اب کہاں؟''

جدن بائی کی شخصیت قابل تعریف تھی، وہ ہمہ جہت صلاحیتوں سے آراستہ تھیں۔ وہ ہندوستانی فلمی دنیا کی پہلی خاتون میوزک ڈائرکٹر تو تھیں ہی، ٹھمری کی بہترین گلوکارہ اور

اچھی اداکارہ بھی تھیں۔ فلم ساز اور فلم موسیقی کمپنی کی مالکن ہونے کے ساتھ فلم صنعت میں جج کے طور پر بھی جانی جاتی تھیں۔ مختصر یہ کہ ان کی زندگی، رہن سہن بھی قابل رشک تھا۔ سیاست اور ادب میں ان کی گہری دلچسپی تھی۔ وہ ملک کے ماحول اور مسائل سے بے خبر نہیں رہتی تھیں۔ ان کے یہاں اپنے وقت کے مشہور سیاست دانوں اور جانے مانے ادیبوں کا آنا جانا رہتا تھا۔ ان کے ساتھ وہ تفصیل سے مختلف موضوعات اور مسائل پر بات چیت اور تبادلۂ خیال کیا کرتی تھیں۔ سیاست سے متعلق اس وقت کی جو مشہور ہستیاں ان کے یہاں علمی مباحثہ میں شریک رہتی تھیں ان میں سی۔ آر۔ داس، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا شوکت علی، مولانا عرفان وغیرہ کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

امیر حیدر خان 'میرٹھ واقعہ' سے وابستہ رہ چکے۔ جب پکڑ دھکڑ کا سلسلہ شروع ہوا تو وہ بھاگ کر روس چلے گئے۔ جب وہاں سے واپس لوٹے تو گرفتاری کے خوف سے انھیں روپوش ہونا پڑا۔ وہ اس مدت میں پوشیدہ طور سے جدن کے گھر میں ہی رہتے تھے۔ گویا اس انڈر گراؤنڈ انقلابی کی محافظ جدن ہی تھیں۔ مجروح سلطان پوری کا تعلق شروع سے ہی کمیونسٹ پارٹی سے تھا۔ جب وہ مستقل طور پر ممبئی آگئے تو جدن بائی کے یہاں ہی انھیں بھی پناہ ملی۔

جدن بائی کا علمی وادبی افراد سے بھی اچھا میل جول تھا۔ اپنے ہی گھر میں ہوئی جدن سے ایک تفصیلی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے معروف اردو ادیب سعادت حسن منٹو نے لکھا ہے کہ ''مرحومہ جدن بائی کو اردو ادب سے بہت محبت تھی۔ وہ میرے مضمون اور کہانیاں بڑے شوق سے پڑھتی تھیں۔ ان دنوں میرا ایک مضمون 'ساقی' میں شائع ہوا تھا۔ پڑھا تو بولیں: ''خدا کی قسم، منٹو بہت خوبصورت لکھتے ہو''۔ جدن بائی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ انتہائی رئیسانہ اور روایتی شان کے ساتھ رہتی تھیں۔ ان کا پاندان انھیں بہت عزیز رہتا تھا۔ وہ جب بھی کہیں جاتیں، اپنا پاندان ساتھ لے جاتیں۔ پان پیش کرنے میں بھی وہ بہت فیاض واقع ہوئی تھیں۔

اسے گردش ایام کہیں یا تقدیر کا لکھا کہ جدن بائی کی اس شان وشوکت اور آن بان سے بھرپور زندگی میں کئی ایسے واقعات بھی رونما ہوئے جو جدن کے کلیجہ کو اندر تک بر ما گئے۔ جدن بائی نے اپنی جس بیٹی نرگس کو انتہائی ناز ونعمت سے پالا پوسا، اسی نرگس سے انھیں سب سے زیادہ ذہنی تکلیف بھی ملی۔ اس تکلیف کی وجہ نرگس کا راج کپور کے ساتھ معاشقہ تھا۔ نرگس اور راج کپور کا یہ معاشقہ فلم 'برسات' سے شروع ہوا اور پورے نو سال تک جاری رہ کر سن 1956 میں فلم 'جاگتے رہو' کے ساتھ ختم ہوا۔ اس مقبول جوڑی نے 16 فلموں میں ایک ساتھ کام کیا تھا۔ بیٹی نرگس کے علاوہ جدن بائی کی اپنے بیٹوں سے بھی نہیں نبھی۔

زندگی کے آخری ایام میں جدن نے بہت کڑا وقت دیکھا۔ ان کی صحت مسلسل گرتی چلی گئی۔ ان کی تمام فلمیں فلاپ ہوتی چلی گئیں۔ تب وہ میرین ڈرائیو میں رہا کرتی تھیں۔ حالات مسلسل ناموافق ہوتے گئے حتیٰ کہ رومیو جولیٹ بھی پٹ گئی۔ ان حالات نے جدن کو توڑ کر رکھ دیا اور ایک رات جدن کی حرکت قلب بند ہوگئی اور اس طرح ایک بہترین موسیقی ہدایت کار، فلم اداکارہ اور بہترین شخصیت کی مالک خاتون ابدی نیند سوگئی۔

کسی نے جدن کے بارے میں کیا خوب لکھا ہے کہ "وہ خاتون تنگدستی میں پیدا ہوئی۔ ناچ گانے سے اپنا پیٹ پالا اور اپنے اہل خانہ کا سہارا بنی۔ کوٹھے کی زینت بن کر ایسی چمکی کہ دلوں کے ساتھ ساتھ شہرت و دولت نے اس کے قدم چومے، گلوکاری کے میدان میں ایسا نام پیدا کیا کہ لوگ آج تک ان کے گائے ہوئے گیت نہیں بھولے ہیں۔ فلمی دنیا میں داخل ہوئیں تو پروڈیوسر، ڈائرکٹر، مصنفہ، موسیقار اور ہیروئن تک پہنچی۔ اس سے کہیں زیادہ عقل وصلاحیت کی وجہ سے قاضی وحکم جیسے عہدوں پر نوازی گئیں۔ وہی خاتون زندگی کی شام میں اپنے ہی خاندان یعنی اپنی ہی اولادوں کے ذریعہ طویل مدت تک دکھ پاتی رہیں اور ایک دن منوں مٹی تلے ہمیشہ کے لئے سوگئیں۔ سن 1953 میں جدن بائی کی عمر 84 سال تھی۔ اس حساب سے ان کی پیدائش کا سال سن 1869 بنتا ہے۔

مصنف کی دیگر کتابیں

1۔ وہ دن (افسانوی مجموعہ) تخلیق کار پبلیشرز دہلی
2۔ راز یزدانی: فن اور شخصیت
3۔ غیر معروف شعراء کے مشہور اشعار (زیر طبع)
4۔ ہندوستانی سنیما کی ایک صدی (زیر طبع)
5۔ ریڈیو پروگرام سازی (زیر طبع)

☆☆☆

تصاویر

Begum Akhtar

(اختری بائی فیض آبادی)
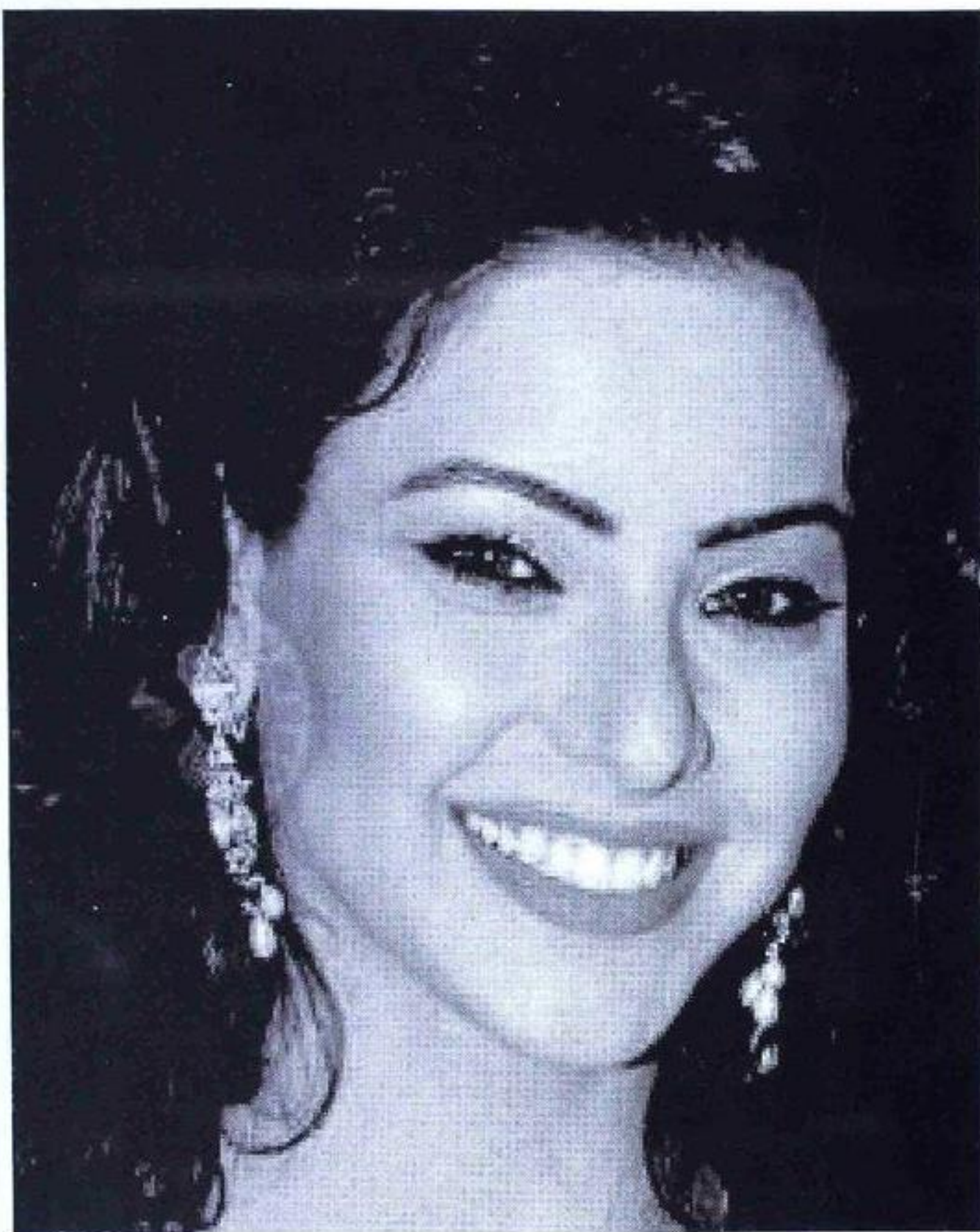
Amna Sharif

آمنہ شریف

Amirbai-Karnatki

امیر بائی کرناٹکی

Anwari Bai

انوری بائی

Begum Para

بیگم پارہ

Baby Naaz

بے بی ناز
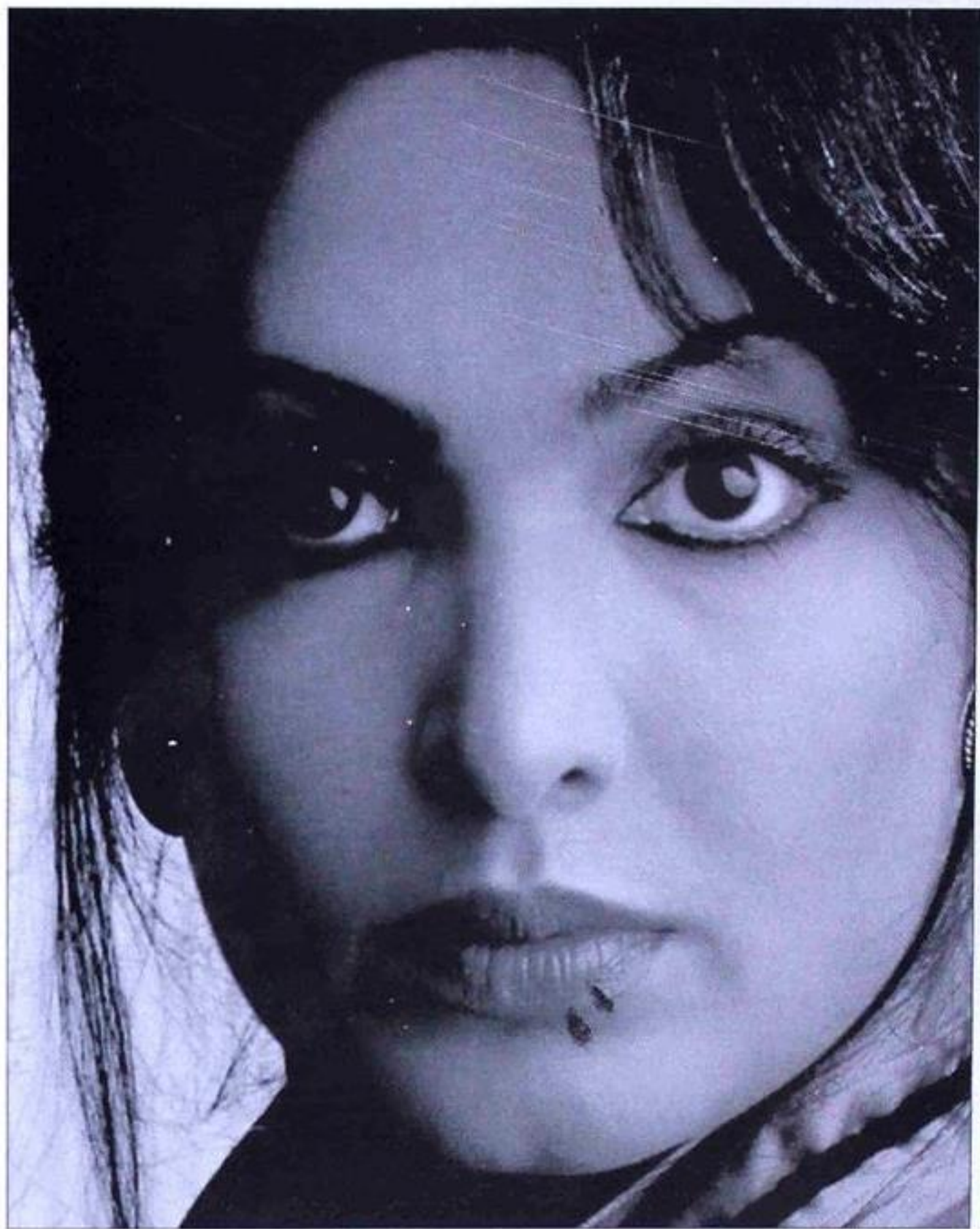
Parveen Babi

پروین بابی

Tabbu

Tabassum

تبسم

Suraiya

ثریا
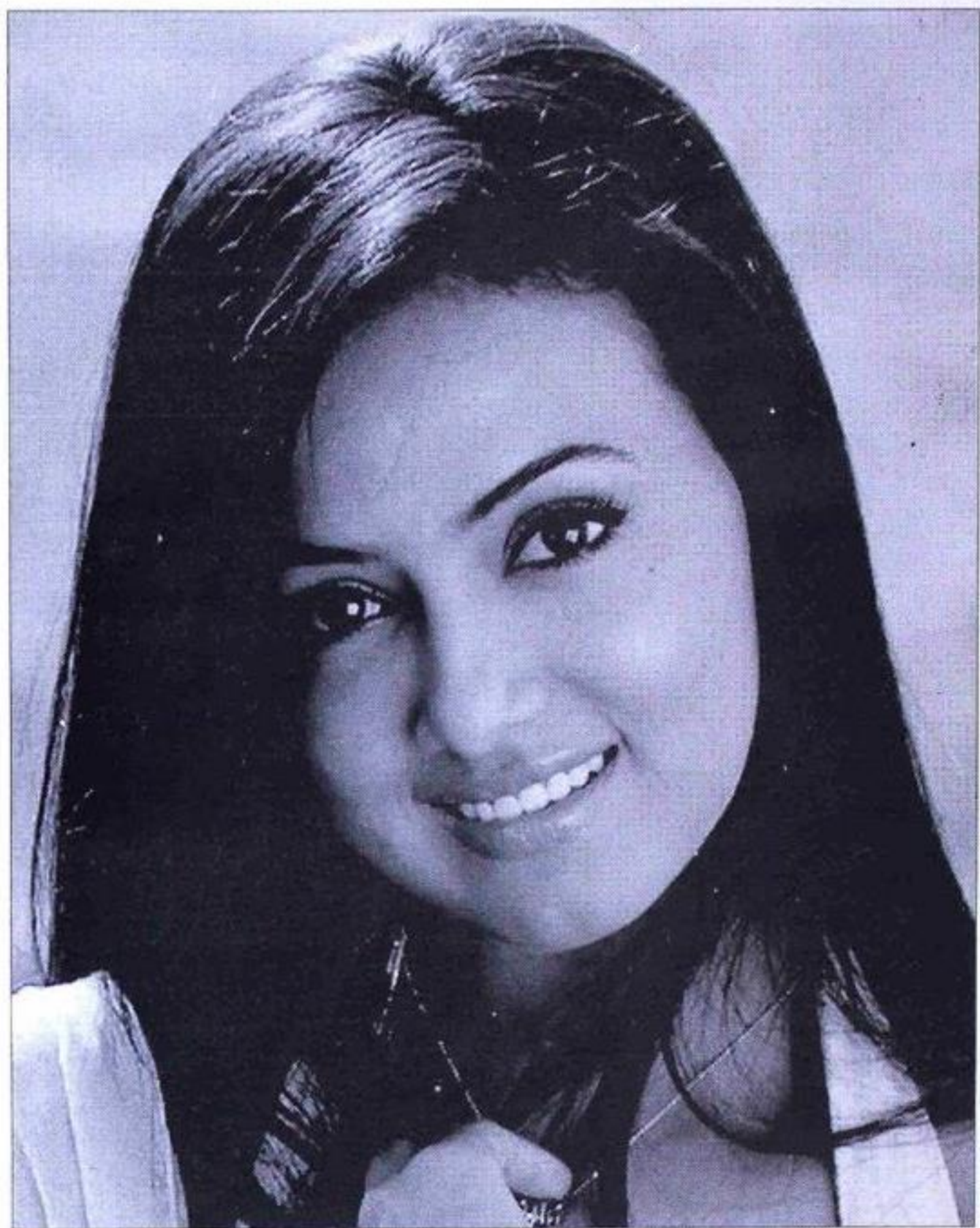
Sana Khan

ثنا خان

Juhi Babber

جوہی

Jahan Aara Kajjan

جہاں آرا کجّن
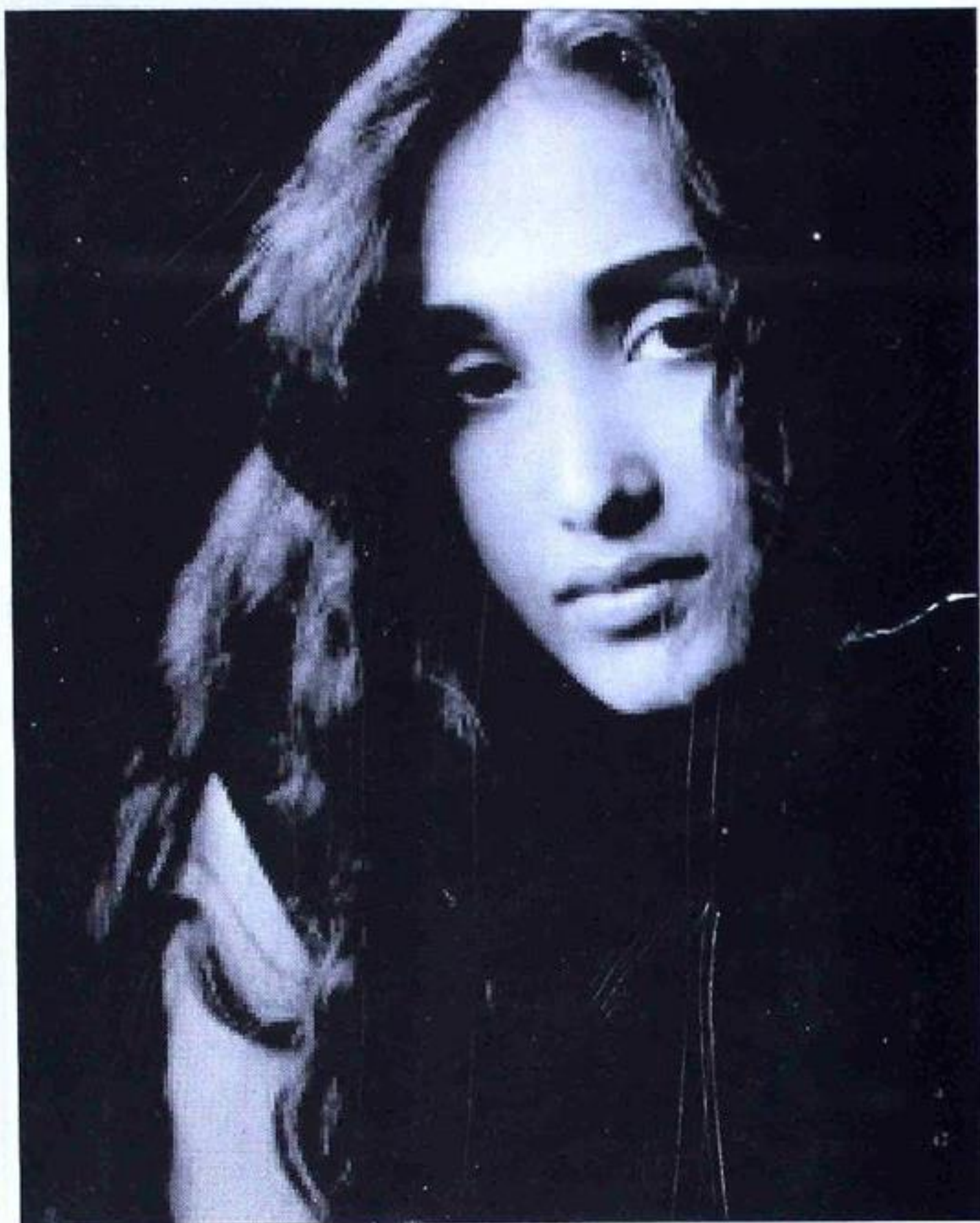
Jiya Khan

جیا خان

Husn Bano

حسن بانو

Khursheed Bano

خورشید بانو

Khushboo

خوشبو

Rukhsar

رخسار

Rehana

ریحانہ

Rehana Sultan

ریحانہ سلطان
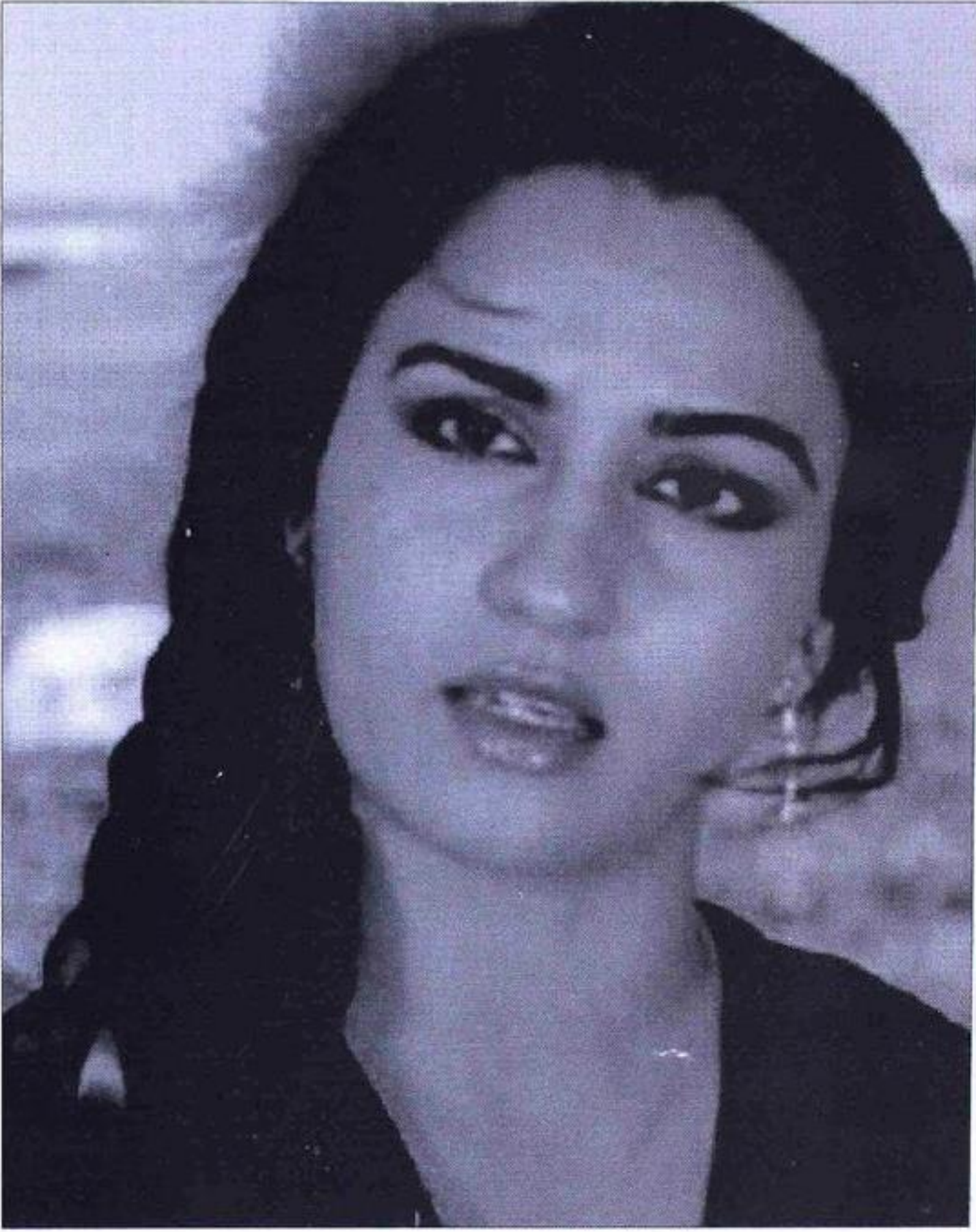
Reena Roy

رینارائے

Zeb Rehman

زیب رحمان

Zubaida

زبیدہ
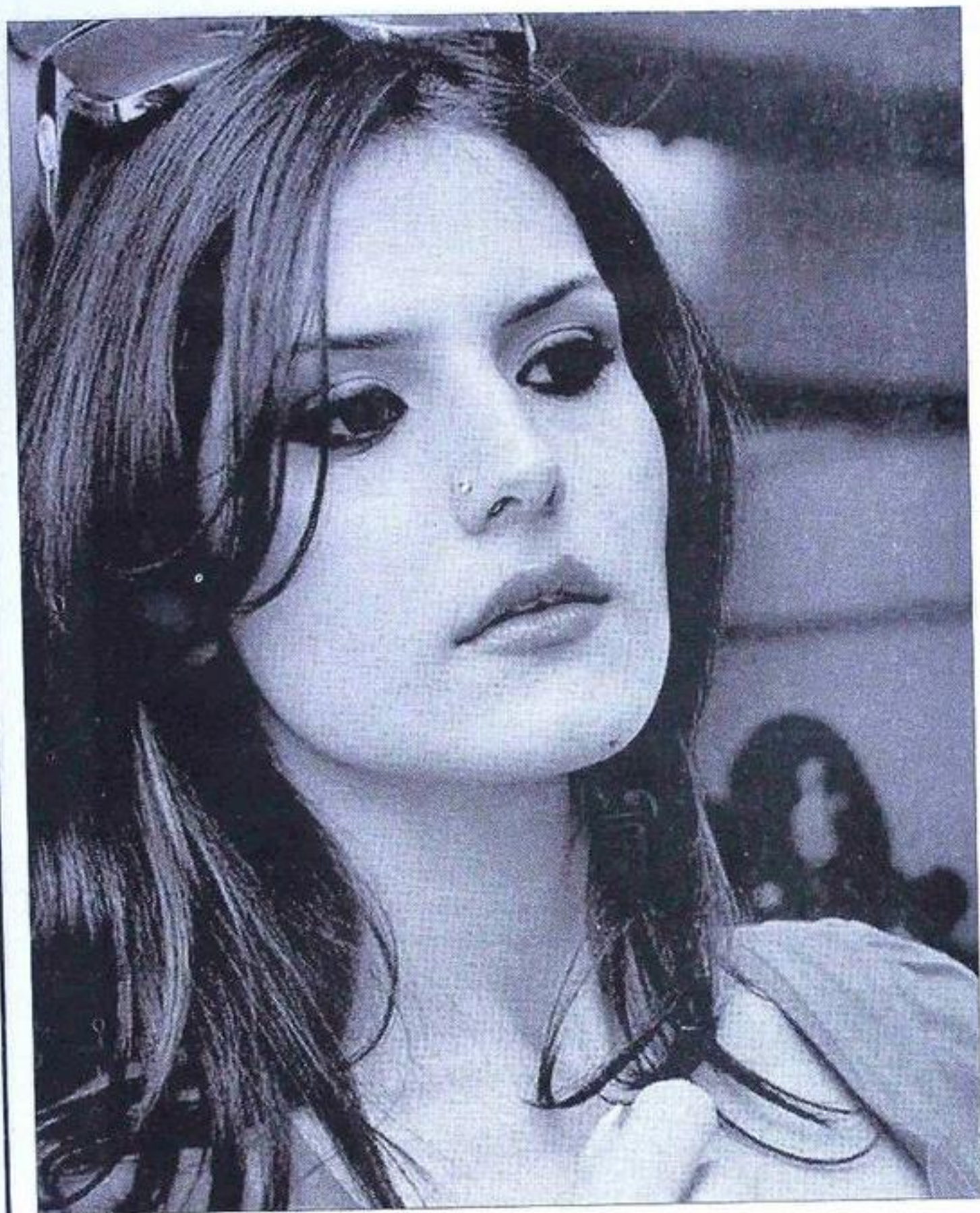
Zarine Khan

زرّین خان

Zeb-un-Nisa

زیب النساء

Zeba Bakhtiar

زیبا بختیار

Zarina Wahab

زرینہ وہاب
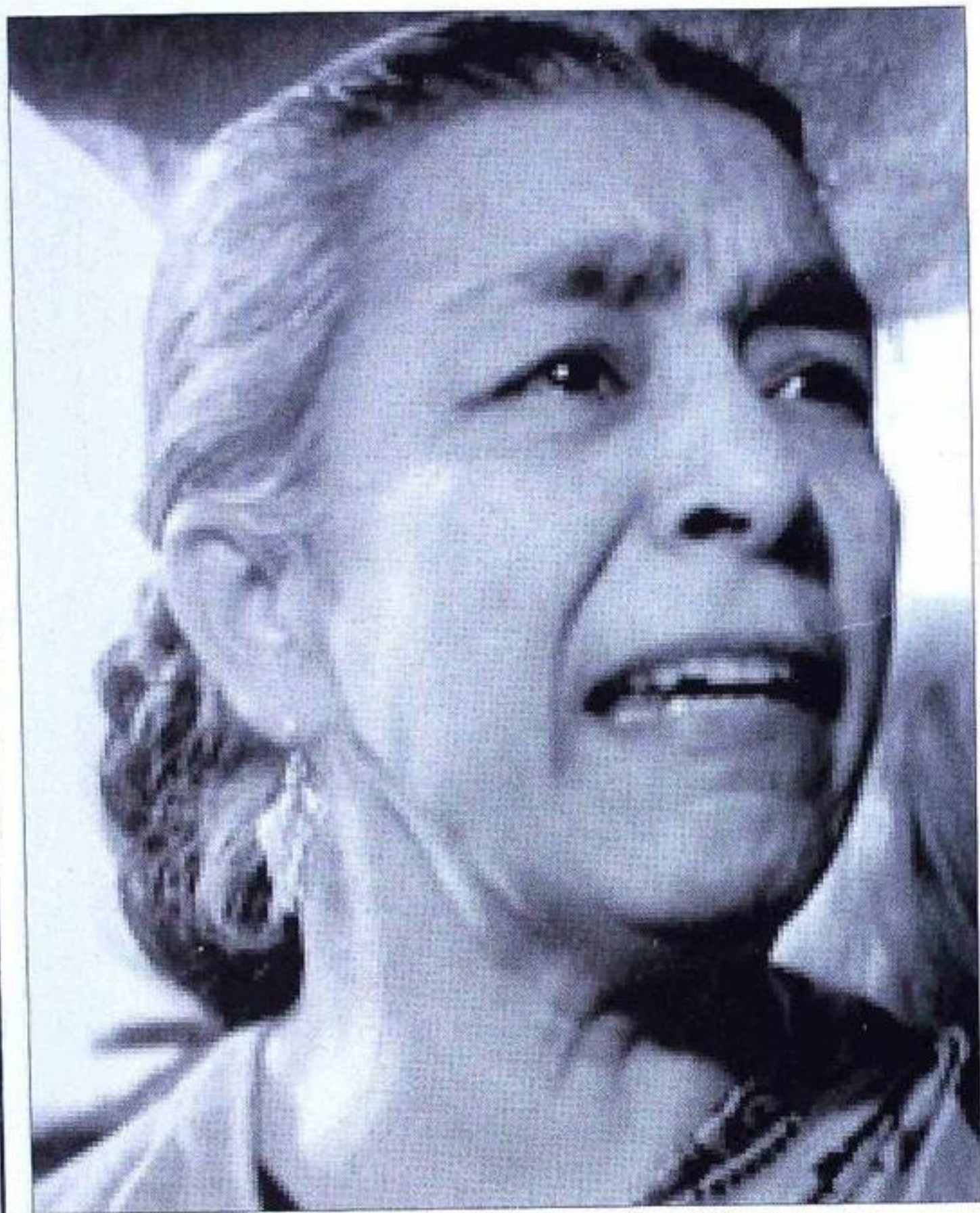
Zohra Sahgal

زہرہ سہگل

Zenat Aman

زینت امان

Sara Khan

سارہ خان

Saira Bano

سائرہ بانو

Sardar Akhtar

سردار اختر

Salma Aagha

سلمیٰ آغا

Bakhtawar Murad Sonam

سونم (بختاور مراد)

Soha Ali Khan

سوہا علی خان

Somy Ali

سومی علی

Shabana Azmi

شبانہ اعظمی

Begum Ayesha Sultana Sharmila Taigore

شرمیلا ٹیگور (بیگم عائشہ سلطانہ)

Shakila Bano Bhopali

شکیلا بانو بھوپالی
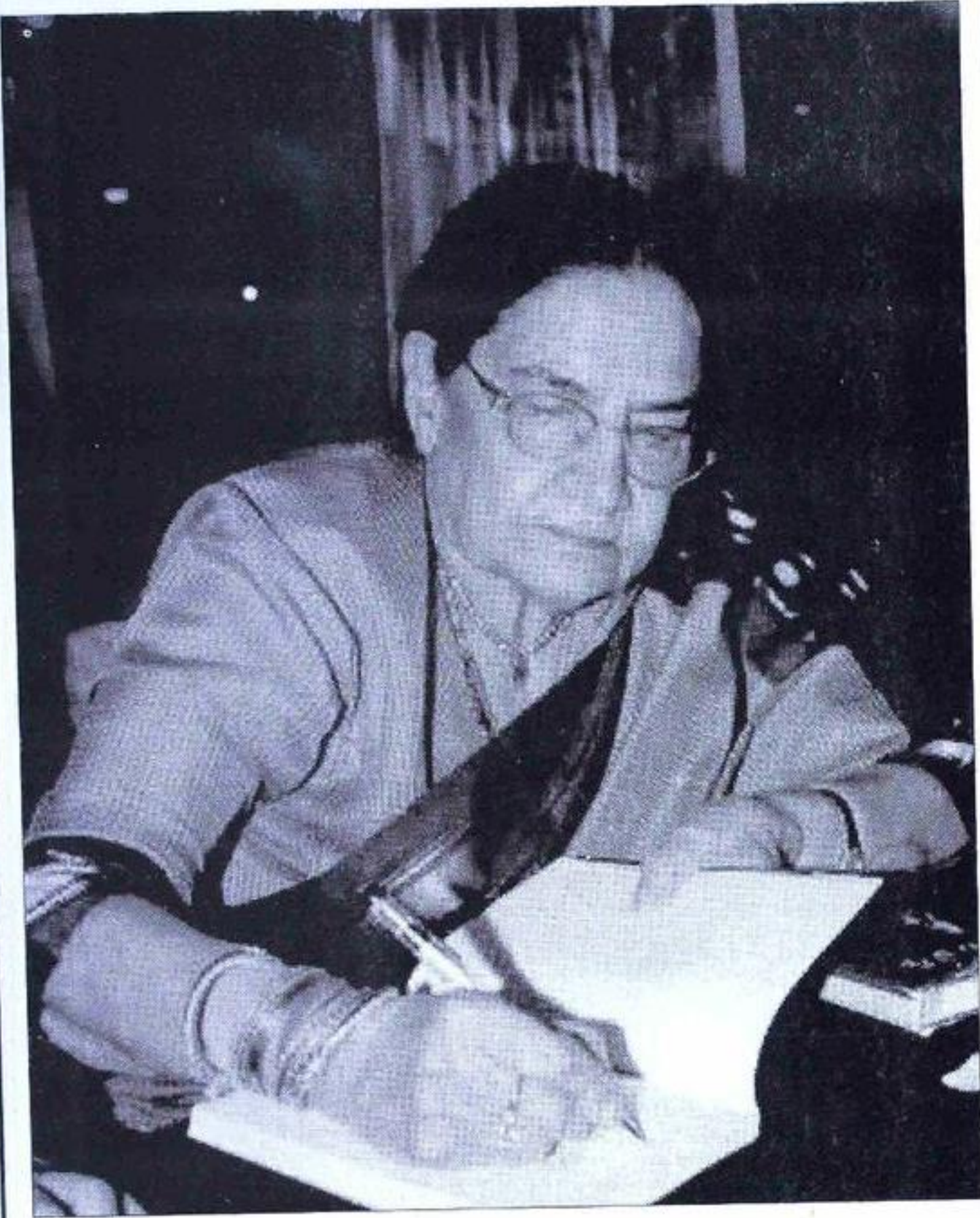
Shaukat Kaifi

شوکت کیفی

Shyama

شیامہ
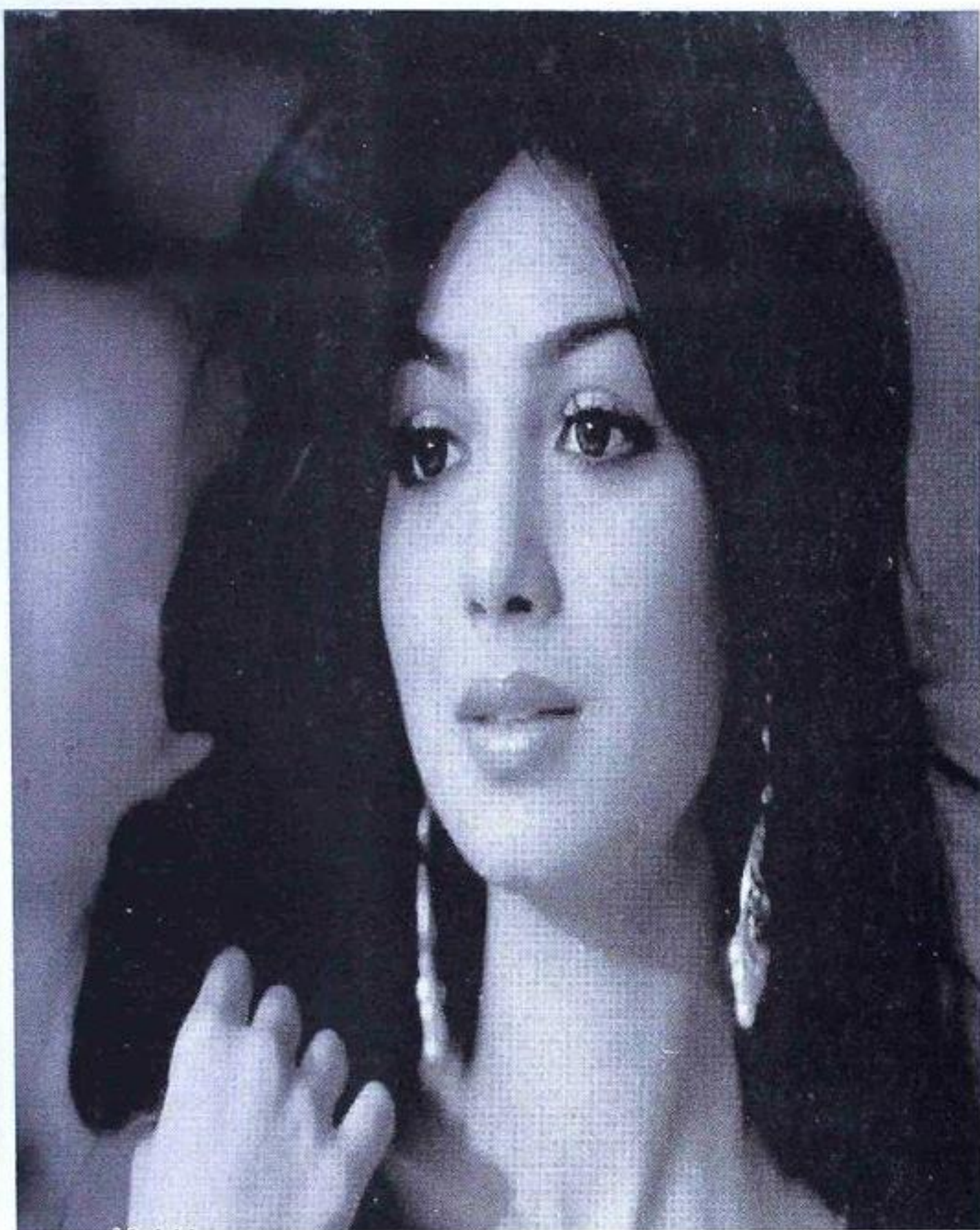
Aisha-Takia

عائشہ ٹاکیہ

Azra

عذرا
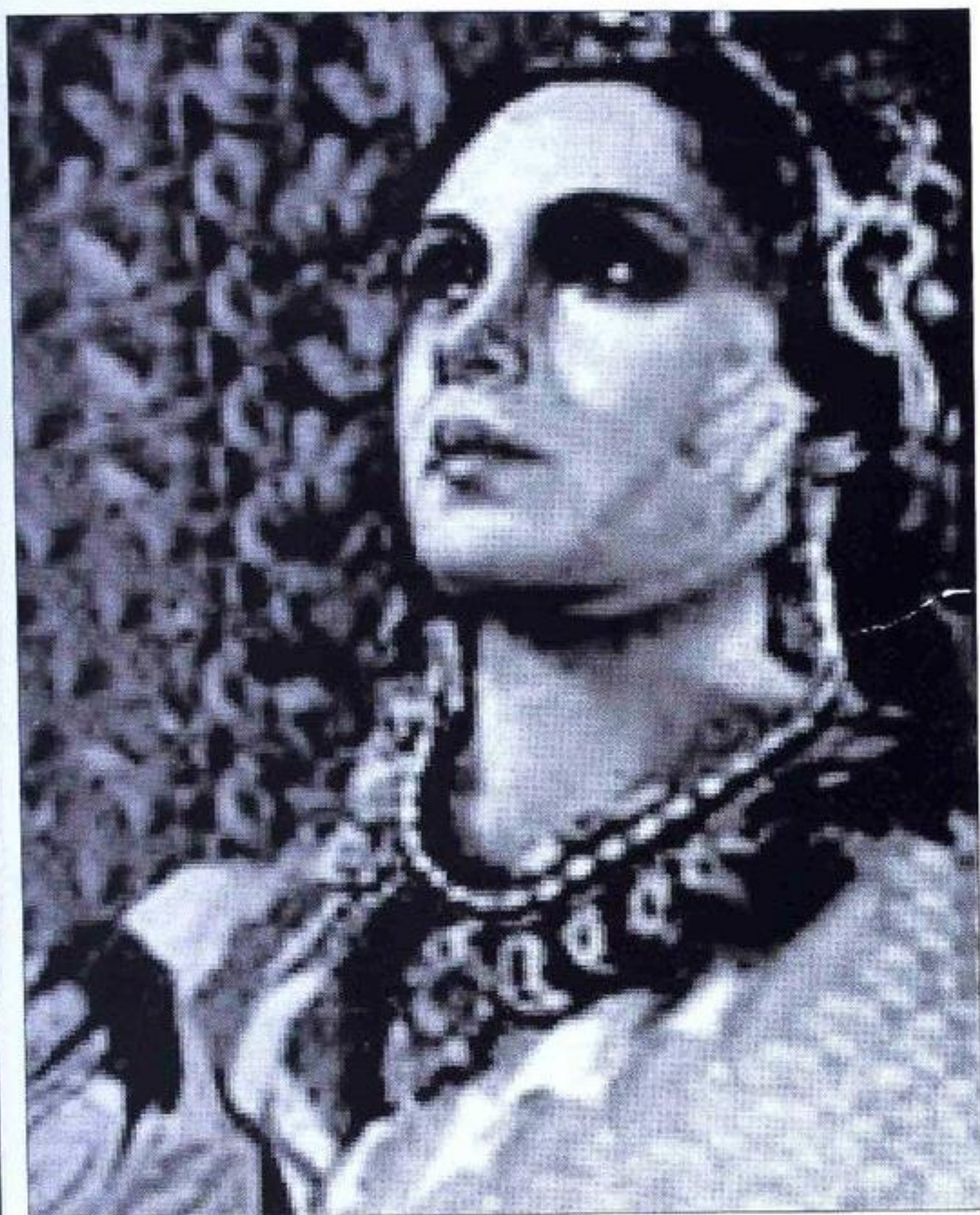
Fatima Begum

فاطمہ بیگم

Farah-Khan

فرح خان

Farah Naaz

فرح ناز

Farida Jalal

فریدہ جلال

Katrina Kaif

کیٹرینہ کیف

Kumkum

Gauhar Khan

گوہر خان

Laila Khan

لیلیٰ خان

Laila Mehdin

لیلیٰ مہدن

Madhubala

مدھوبالا

Mukhtar

Mumtaj

ممتاج
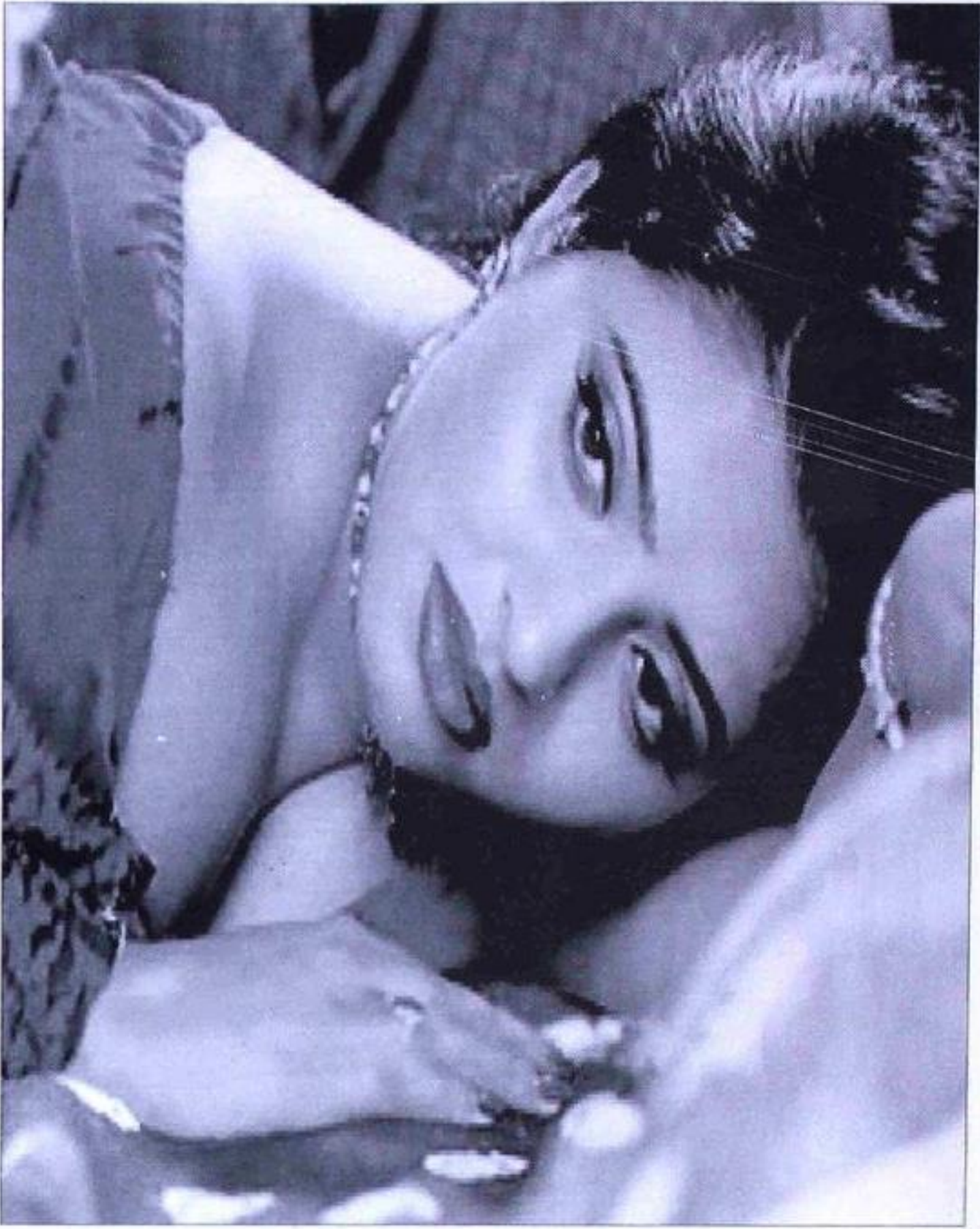
Mumtaz

ممتاز

Mumtaz Begum

Mumtaz Shanti

ممتاز شانتی

Mandakini

مندا کنی

Munawwar Sultana

منور سلطانہ

Mehtab

مہتاب

Meena Shorey
مینا شوری

Meena Kumari

مینا کماری

Mumaith Khan

ممیت خان
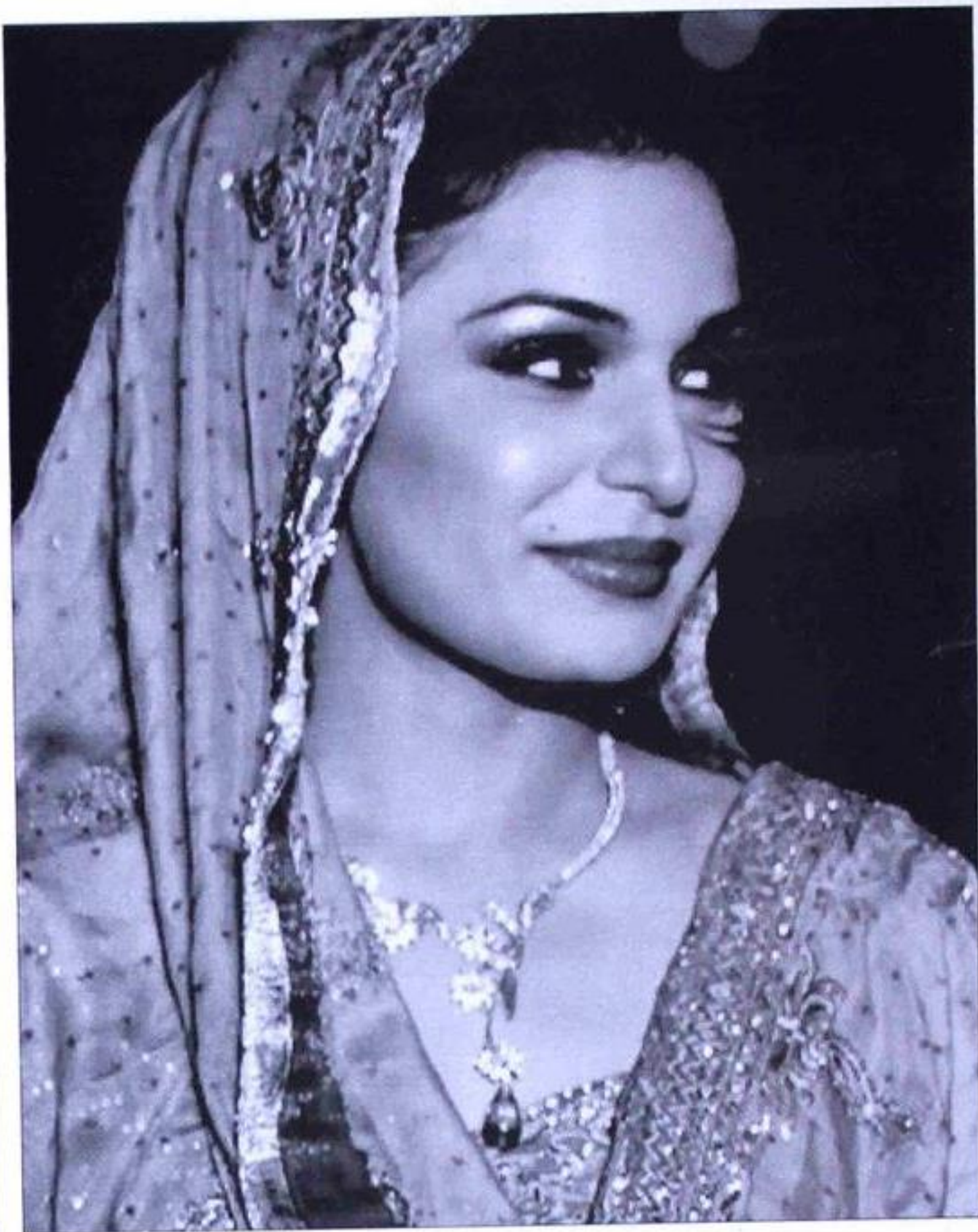
Meena Irtiza Rubaab

میرا (ارتضیٰ رباب)

Meenu Mumtaz

مینو ممتاز
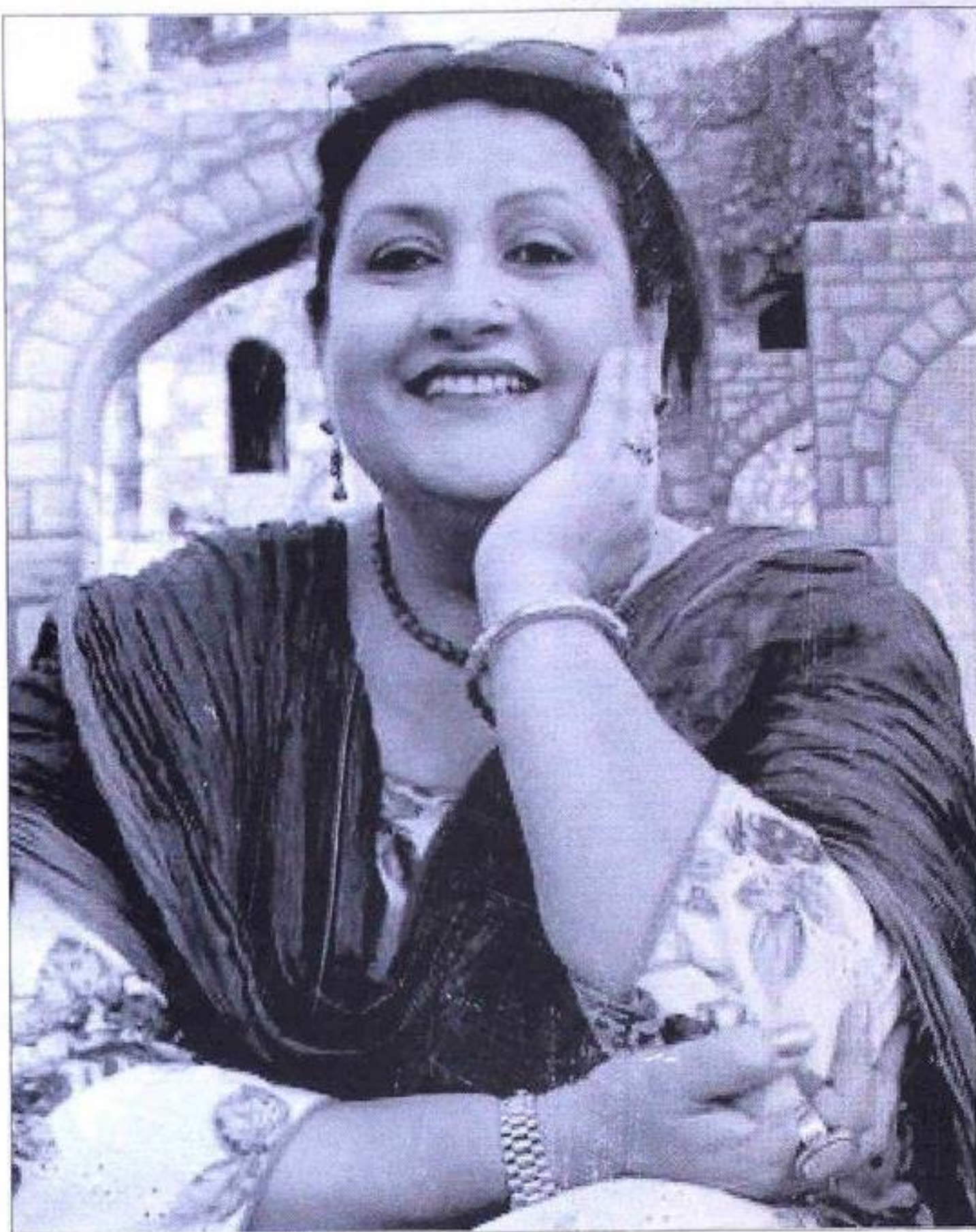
Nadira Babber

نادرہ ببّر

Nazia Hussain

نازیہ حسین
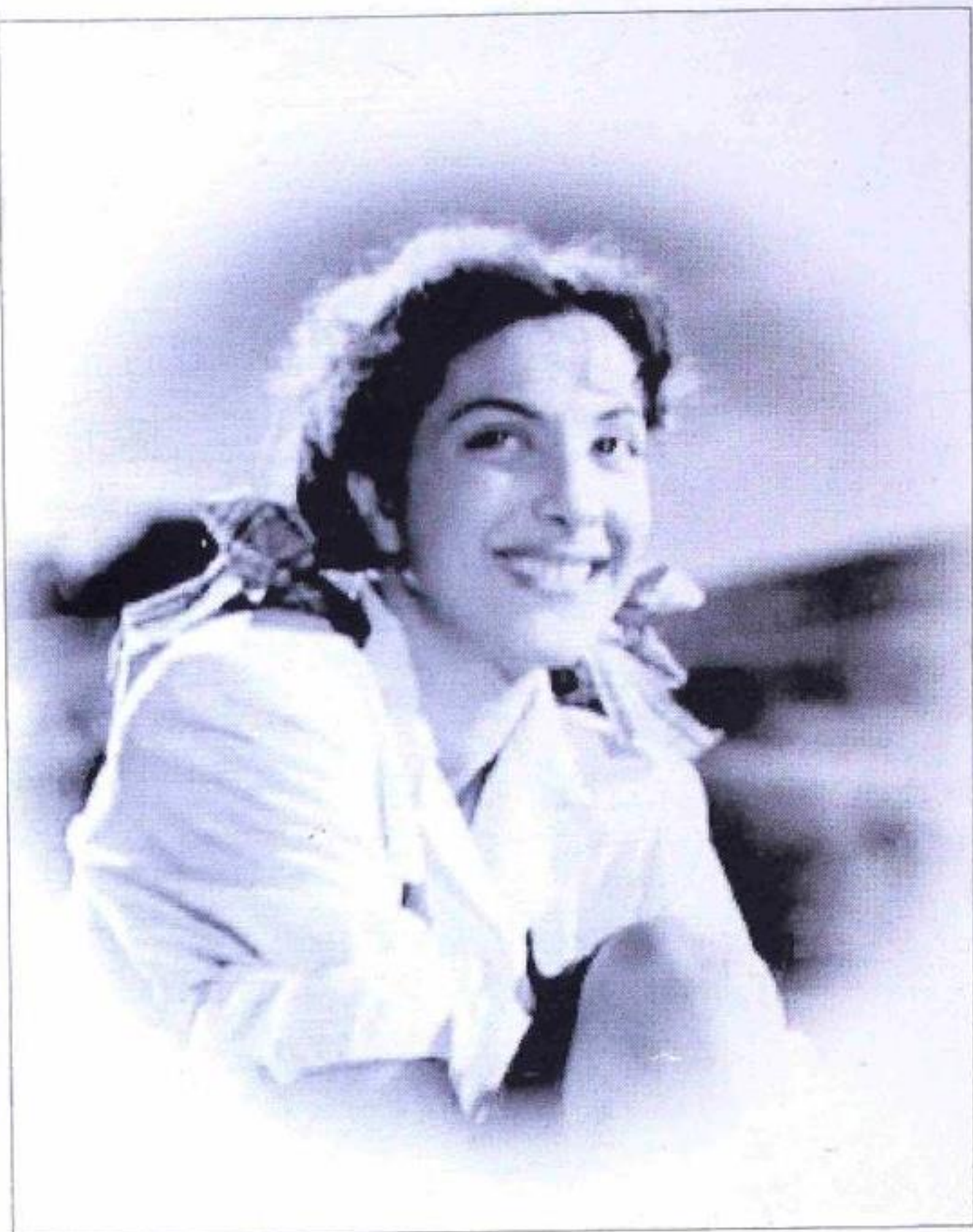
Nargis

نرگس

Nargis Fakhri

نرگس فاخری

Nasreen

نسرین

Naseem Bano

نسیم بانو

Nigaar Khan

نگار خان
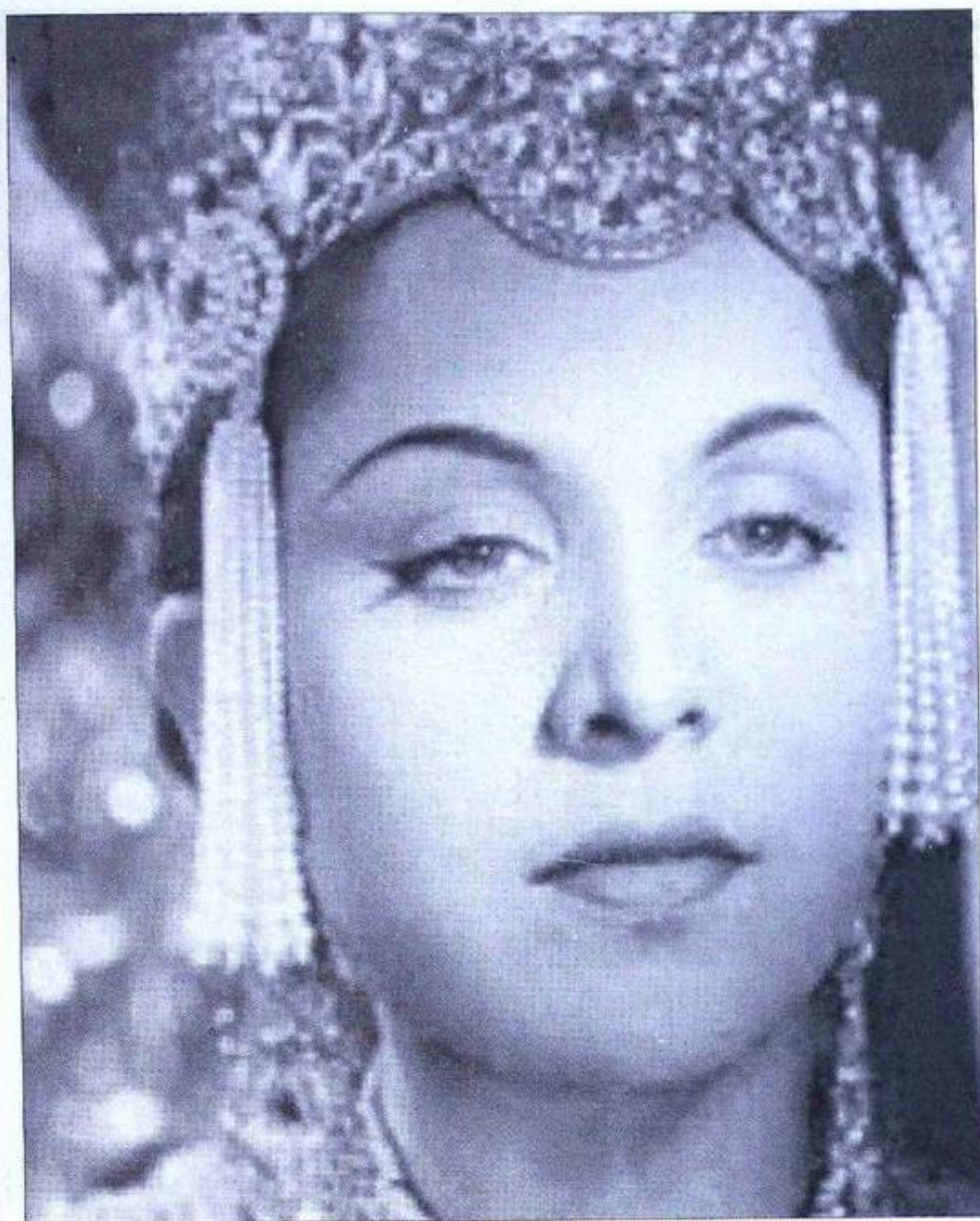
Nigar Sultana

نگار سلطانہ

Nimmi

Noor Jahan

نور جہاں
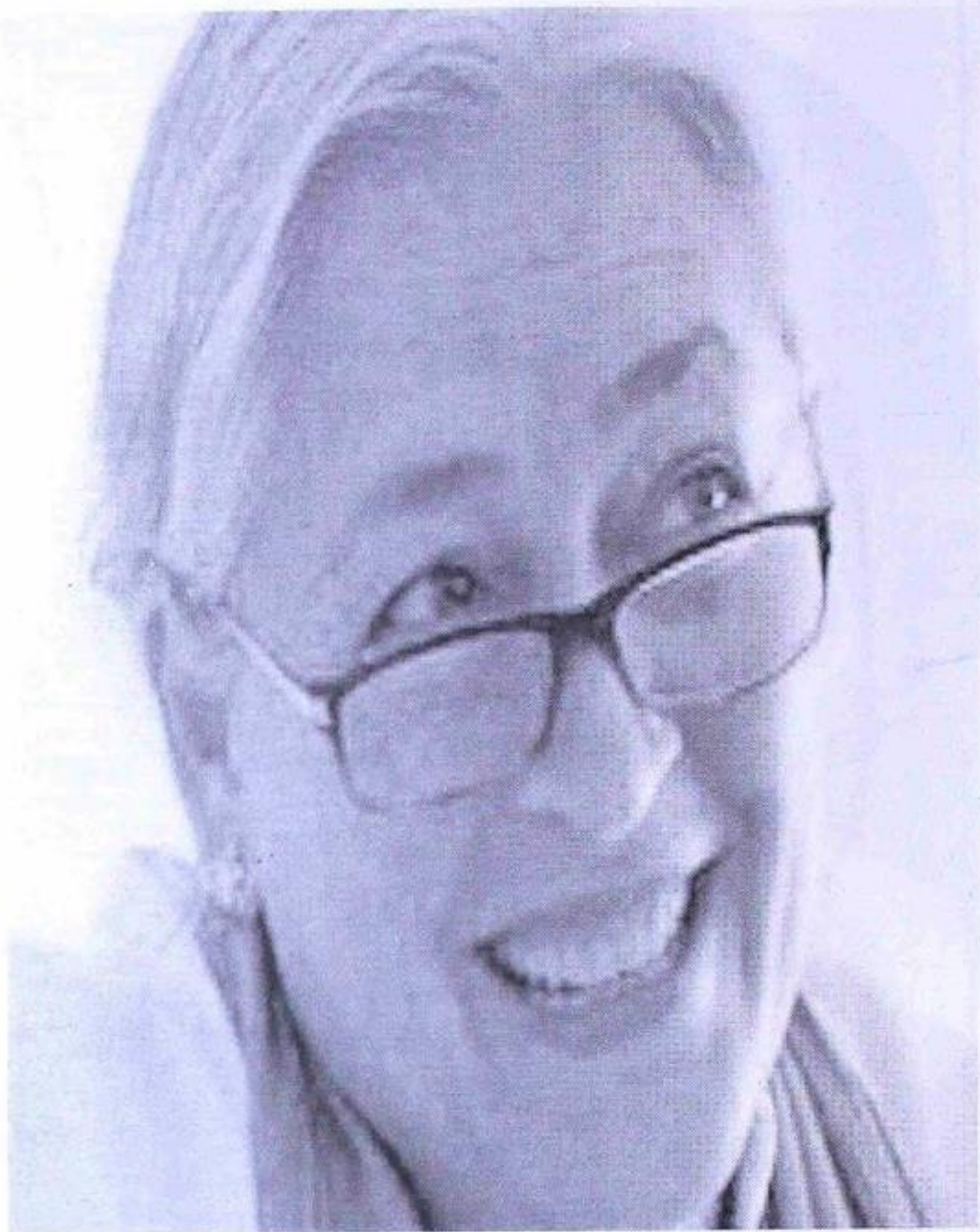
Nafisa Ali

نفیسہ علی

Neelma Azeem

نیلما عظیم

Shabana Raza Urf Neha

Waheeda Rehman

وحیدہ رحمان

Veena Kumari

وینا کماری

Veena Malik

وینا ملک

Huma Khan

ہما خان

Huma Qureshi

ہما قریشی

Jiddan Bai

جدن بائی